مقامِ سُنّت

تصنیف

علامہ مشتاق احمد چشتی
شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف
فاضل و سابق شیخ الحدیث جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

مکتبہ مہریہ کاظمیہ
نزد جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

Marfat.com

مقامِ سنّت

تصنیف

علّامہ مشتاق احمد چشتی

شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف

فاضل و سابق شیخ الحدیث جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

ناشر

مکتبہ مہریہ کاظمیہ

نزد جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... **مقام سنت**

نام مصنف .... علامہ مشتاق احمد چشتی

پروف ریڈنگ .... مولانا محمد امین سعیدی

تعداد .... ایک ہزار (1000)

صفحات ۲۵۳

سن طباعت .... رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
مطابق اکتوبر ۲۰۰۷ء

قیمت .... [illegible]

ناشر

مکتبہ مہریہ کاظمیہ جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

فون: 061-6560699

موبائل: 0304-6123162

Marfat.com

انتساب

یہ فقیر پُر تقصیر اپنی اس پہلی تالیف کو آفتابِ رشد وہدایت، بحر علم وعرفان، شیخ الکل فی زمانہ ومرجع الکل فی اوانہ سیدی ومولائی ومرشدی حضرت قبلہ عالم شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ الحسنی والحسینی الگیلانی نور اللہ مرقدہٗ وَاَفَاضَ اللّٰہُ عَلَیْنَا مِنْ عُلُوْمِہٖ وَبَرَکَاتِہٖ.

کے نامِ نامی واسمِ گرامی سے منسوب کرتا ہے

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

کمترین، نیازمندِ بارگاہِ مہریہ غوثیہ

مشتاق احمد چشتی

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
01	تعارفِ مصنف	07
02	تقریب از علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ	17
03	پیش لفظ	31
04	انکارِ حدیث کے سنگین نتائج	36
05	فتنہء انکارِ سنت کو پھیلانے کے عام حربے	40
06	زیرِ نظر مقالہ	42
07	سنت کا مفہوم	44
08	سنت کے اصطلاحی معانی	46
09	قرآن میں سنت کی اہمیت منصبِ رسالت	56
10	اتباعِ رسول کی دوسری دلیل	62
11	اتباع واطاعتِ رسول کی تیسری دلیل	64
12	مرکزِ ملت کا غلط تصور	65
13	رسول خدا ﷺ کے آئینی کام پر شبہ کا ازالہ	66
14	اطاعتِ رسول کی چوتھی دلیل	67
15	پانچویں دلیل	67
16	چھٹی وساتویں دلیل	68
17	آٹھویں دلیل	69

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
18	نویں دلیل	70
19	دسویں دلیل	71
20	عبادات ومعاملات کی تفریق	73
21	حدیث وسنت کی تفریق	75
22	سنت اور تشریح قرآن	75
23	ایک شبہ کا ازالہ	78
24	جامعیّت قرآن کا صحیح مفہوم	79
25	فہم قرآن میں صحابہ کی الجھنوں کا حضور ﷺ کی طرف سے حل	80
26	قرآن وسنت کا باہمی ربط	84
27	امام اوزاعی کے کلام سے پیدا شدہ اشکال کا جواب	86
28	سنت بحیثیت مأخذ تشریع	88
29	قرآن وحدیث میں سنت کی تشریعی حیثیت کا ذکر	90
30	ایک شبہ کا ازالہ	95
31	تشریعی احکام کی چند مثالیں	98
32	سنت وحی الٰہی ہے	103
33	سنت کے وحی الٰہی ہونے پر دلائل	104
34	لفظ حکمت کا مفہوم	106

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
35	کتاب کے ساتھ حکمت وسنت نازل کرنے کی حکمت	110
36	تعبیر حکمت پر ایک اشکال کا جواب	110
37	وحی کیا ہے؟	113
38	قرآن سے وحی خفی کا ثبوت	117
39	وحی کا عام مفہوم	126
40	حفاظت حدیث پر ایک واضح استدلال	127
41	قرآن وحدیث کی حفاظت میں ایک فرق	130
42	حدیث اور افتراقِ امّت	131
43	مقام سنت صاحب ﷺ سنت کی نظر میں	135
44	مذکورہ حدیث پر اعتراض کا جواب	144
45	حدیث مذکور پر بعض معاصرین کی تنقید اور اس کا جواب	151
46	حدیث مذکور کے شواہد	155
47	دَورِ فتن میں تمسک بالسنۃ کی خصوصی تاکید	156
48	حدیثِ مذکور کے بارے میں ایک شبہ کا ازالہ	160
49	عہدِ رسالت میں حدودِ مشاورت	162
50	سنتِ رسول علیہ السلام کا مقام خلفائے راشدین کی نظر میں	169
51	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا تاریخی خطبہ	169

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
52	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کا انداز	171
53	حدِّ اطاعتِ خلیفہ	174
54	لشکرِ اسامہ کی روانگی	175
55	جُرم عشق	176
56	مانعین زکوٰۃ سے قتال	178
57	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معیارِ انتخاب	184
58	عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور احادیثِ نبویہ کا احترام	185
59	منکرین سنت کے چند شبہات کا ازالہ	189
60	حَسْبُنَا کتابُ اللہ سے استدلال	190
61	مسئلہ طلاقِ ثلثہ میں فاروقی فیصلے کی اصل صورت	195
62	مؤلفۃ القلوب کا حصہ اور فاروقی طرزِ عمل	197
63	مفتوحہ اراضی کے متعلق فیصلہ فاروقی اور سنتِ رسول ﷺ	199
64	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت	200
65	مولا علی رضی اللہ عنہ کا اہل مصر کے نام پیغام	206
66	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور روایتِ حدیث میں احتیاط	209
67	حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اور تمسک بالسنۃ	211
68	اقسام سنت اور ان کا شرعی مقام	212

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
69	سنت کی تقسیم	213
70	خبر متواتر	213
71	خبر متواتر کا وجود	214
72	تواتر کی اقسام	215
73	خبر مشہور	219
74	خبر واحد کی تفصیلی بحث	220
75	خبر واحد کا مفہوم	220
76	خبر واحد کے واجب الاتباع ہونے کے شرائط	221
77	خبر واحد کا حکم	224
78	لفظِ ظن کا حکم	225
79	دلائل حجیتِ خبر واحد	230
80	عہد رسالت کے چند واقعات	233
81	خلفائے راشدین اور خبر واحد	236
82	علماء ملت کا اتفاق	237
83	حرفِ اختتام	239
84	مآخذ و مراجع	243

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارفِ مصنف

ناشر کے قلم سے

''مقام سنت'' کے مصنف، یادگارِ اسلاف استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج مولانا حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی ہیں جو بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر دانشور، صاحب طرز محقق، ہر دلعزیز مدرس، قادر الکلام مقرر اور دلآویز مصنف ہیں۔ عالمانہ جلال، صوفیانہ جمال اور محققانہ کمال کے مالک ہمارے ممدوح ۱۵ جنوری ۱۹۴۱ء مطابق ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ کو بستی بختاور ضلع بھکر کے مشہور علمی وروحانی فقیر خاندان میں حضرت فقیر حافظ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے۔ بلاشبہ آپ ایسے خاندان کے چشم وچراغ اور اب بزرگ ہیں جو نسلوں سے علوم وفنونِ اسلامیہ کا امین چلا آرہا ہے۔ اس خاندان کی عظمت کا ایک مخصوص حوالہ یہ ہے کہ اس میں اکثر حافظ قرآن گزرے ہیں خصوصاً آپ کے آباؤ اجداد نہ صرف حافظ قرآن ہوئے بلکہ علم وعرفان کی دولت سے بھی مالا مال رہے۔ حضرت علامہ مشتاق احمد چشتی مدظلہٗ کی علمی عظمت دیکھئے کہ آپ سمیت آپ کے دونوں بڑے بھائی استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا فیض احمد اور حضرت علامہ مولانا سید احمد رحمۃ اللہ علیہما متبحر علماء شیوخِ حدیث اور مفتی ہوئے۔

تعلیم وتربیت

آپ نے فارسی نظم کی صورت میں ابتدائی تعلیم ۷ سال کی عمر میں اپنے گھر پر بستی بختاور میں والد ماجد حضرت فقیر حافظ غلام محمد صاحب علیہ الرحمۃ کی زیر نگرانی

Marfat.com

شروع فرمائی۔حفظ القرآن کے علاوہ میٹرک، ایف اے، فاضل فارسی، درس نظامی اور تخصص فی الحدیث والتفسیر (ایم اے) کی تکمیل کی۔

تعلیمی سفر

آپ پہلے بستی بختاور پھر مدرسہ محمودیہ پپلاں ضلع میانوالی، جامعہ غوثیہ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد، جامعہ اسلامیہ عربیہ انوارالعلوم ملتان اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں مختلف اوقات میں زیر تعلیم رہے اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء کو دورہ حدیث کے بعد سند فراغت سے سرفراز ہوئے۔

فخر روزگار اساتذۂ کرام

آپ کے قابل فخر اساتذۂ کرام میں دونوں بزرگ برادران استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف مہر منیر وسابق مفتی درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف) حضرت استاذ العلماء علامہ مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر المدرسین ومفتی مدرسہ محمودیہ پپلاں ضلع میانوالی) اور غزالی زماں رازی دوراں امام اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (بانی وشیخ الحدیث جامعہ انوارالعلوم ملتان) شامل ہیں۔

جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں بطور ریسرچ سکالر

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ جب جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے تو حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد چشتی مدظلہ نے تخصص فی الحدیث والتفسیر (ایم ۔اے) میں داخلہ لیا اور دو سال کے عرصے میں تخصص کا امتحان پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آئے

Marfat.com

تو مختلف مکاتب فکر کے اساتذہ اور خصوصاً وائس چانسلر ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی آپ کی علمی صلاحیت اور فکری استعداد کے معترف اور اخلاق سے بہت متاثر تھے چنانچہ ان سب حضرات کی رائے سے آپ کو ریسرچ سکالر کے طور پر یونیورسٹی میں بلایا گیا تاکہ آپ علمی و تحقیقی مقالہ لکھیں آپ نے اصولِ تفسیر و تاریخ تفسیر پر نہایت وقیع اور محققانہ مقالہ لکھا جو بزم سعید جامعہ انوار العلوم ملتان کی طرف سے ''علم تفسیر اور مفسرین'' کے نام سے شائع ہو کر اربابِ فکر و دانش سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے اور اب مزید تفسیری کام کے تازہ جائزے کے ساتھ ''مکتبہ مہریہ کاظمیہ نیو ملتان'' کی طرف سے شائع کیا جانے والا ہے۔

..... یہ نور کی بارش کہاں کہاں

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد چشتی نے ایک المناک واقعہ (مسعود کھدر پوش کی ایمان و اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی) کے بعد ریسرچ سکالر کے طور پر جب جامعہ اسلامیہ سے قطع تعلقی کر لی تو پھر مختلف مدارسِ اسلامیہ میں علم کے موتی بکھیرے۔ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں ایک سال مدرس، جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں تین سال مدرس و ناظمِ تعلیمات اور جامعہ انوار العلوم ملتان میں پینتیس سال صدر المدرسین، شیخ الحدیث اور نائب مہتمم رہے اور اب چار سال سے پھر جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں مفتی و شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں اور تشنگان علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ غرضیکہ آپ کی مذہبی، ملکی اور تدریسی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

Marfat.com

گھریلو زندگی اور اولادِ نرینہ

آپ نے ۱۹۶۲ء میں اپنے خاندان ہی میں شادی کی۔ اللہ نے دو بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا، دو بیٹے جناب غلام سبحانی ایم، بی، اے (بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان) اور جناب غلام جیلانی انجینئر (انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور) ہیں دونوں کی بقدرِ ضرورت دینی تعلیم گھر پر ہی مکمل ہوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ۲۰۰۴ء میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نسبتِ طریقت

حضرت مولانا مشتاق احمد چشتی مدظلہٗ ۱۹۵۶ء میں پیر صاحب گولڑہ شریف حضرت بابو جی پیر سید غلام محی الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر گولڑہ شریف میں بیعت ہوئے۔ آپکو شیخ طریقت سے والہانہ محبت تھی اور حضرت قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ (اسکی تفصیل فقیر خاندان کے حالات پر مشتمل کتاب ''انوار العارفین'' مصنفہ علامہ ممتاز احمد چشتی مدظلہٗ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔)

مبارک سفر

۱۹۷۲ء میں پہلی مرتبہ آپ کو حضرت شیخ طریقت قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ حج کی سعادت حاصل ہوئی نیز بغداد شریف، کربلا معلیٰ اور نجفِ اشرف کی زیارت سے بھی شرف یاب ہوئے اور بغداد شریف میں درگاہِ عالیہ حضرتِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مدرس وخطیب الشیخ عبدالکریم محمد نے آپ کو اعزازی سند حدیث عطا فرمائی۔ آپ نے دوسری مرتبہ ۱۹۷۸ء میں مشائخ کرام کی معیت میں حج کی

Marfat.com

سعادت حاصل کی اور عمرے متعدد بار کئے۔

تصنیف وتالیف

جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں تعلیم کے دوران ۱۹۶۴ء میں آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع فرمایا جو ہنوز جاری ہے، اس وقت تک اِمقامِ سنت (مطبوعہ) ۲ علم تفسیر اور مفسرین (مطبوعہ)، ۳ ضیاء مہر (مطبوعہ)، ۴ صحیح مسلک (مطبوعہ) ۵ آئینہ معرفت اردو ترجمہ مرأۃ العرفان (مطبوعہ)، ۶ جمع وترتیب قرآن (غیر مطبوعہ) اور اسکے علاوہ ریڈیو پاکستان ملتان اور ریڈیو کے قومی پروگراموں میں آپ نے اسلام کے اخلاقی، تعلیمی، معاشی ومعاشرتی نظام اور دیگر اہم موضوعات پر جو علمی وتحقیقی تقریریں کی ہیں ان سے بھی ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

پسندیدہ مشاغل

آپ کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ تو تدریس ہی ہے البتہ دوسرے مرحلہ میں خطابت وافتاء بھی پسندیدہ مشاغل ہیں۔

علمی تبحر اور وسعتِ مطالعہ

آپ مروجہ علوم وفنون کی کتب اور شروح پر مکمل عبور رکھتے ہیں، ہر فن کمال مہارت سے پڑھاتے ہیں تقریباً تمام ہی درسی کتب پڑھا چکے ہیں لیکن زیادہ تر صحاح ستہ، شرح معانی الآثار، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، تفسیر بیضاوی، ہدایہ، قطبی، سلم العلوم، ملاحسن، النحو الواضح، تفسیر جلالین، مشکوٰۃ شریف، شرح عقائد، شرح نخبۃ الفکر الفوز الکبیر وغیرہ کی تدریس فرمائی ہے۔ اسے کمال تواضع کہیے یا نوجوان مدرسین کیلئے تدریسی روَیے میں راہِ عمل کا تعین کہ چند سال قبل بخاری وترمذی وغیرہ کی تدریس کے

Marfat.com

دوران جامعہ انوار العلوم میں کریما اور صرف بہائی بھی پڑھائی۔

پاکیزہ خواہش

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد چشتی مدظلہٗ نے مستقبل کے عزائم سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''اللہ کرے قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عمر اختتام پذیر ہو اور اپنے شیخ سے روحانی رابطہ استوار ہو'' جب یہ سوال کیا گیا کہ ''آپ دینی مدارس میں کس چیز کی کمی محسوس فرماتے ہیں؟'' تو فرمایا ''طلبہ میں محنت اور مطالعہ کی کمی''

مشہور تلامذہ

بلاشبہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں جید علماؤ فضلاء مدرس مبلغ، مفتی، شیخ الحدیث، اداروں کے مہتمم اور ناظم سبھی شامل ہیں بعض نے مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ آپ اپنے تمام تلامذہ اور فیض یافتگان کیلئے نہایت شفیق ومہربان ہیں مگر دین متین کی خدمت کیلئے ان کی ہر طرح اور ہمہ وقت مستعدی وآمادگی کو پسند فرماتے ہیں، چنانچہ جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ ''آپ کے نامور تلامذہ جو آپ کا مشن جاری رکھے ہوئے ہوں؟'' تو فرمایا ''صاحبزادہ علامہ سید ارشد سعید کاظمی (شیخ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملتان) مولانا قاضی محمد غوث منصور (مدیر ماہنامہ زمزم ومہتمم مدرسہ انوار القرآن الکریم بہاول پور) مولانا فضل احمد تمیمی ومولانا ظہور احمد نظامی ومولانا محمد قاسم سعیدی (مدرسین جامعہ غوثیہ ہدایت القرآن ملتان) مولانا سراج احمد سعیدی (مہتمم مدرسہ عزیز العلوم اوچشریف) سید سعید احمد شاہ (وائس پرنسپل حزب الرحمٰن اکیڈمی کمالیہ) مولانا محمد شفیع مظہر الحامدی (مفتی ومدرس جامعہ خیر المعاد ملتان) حافظ محمد شفیع چشتی ومولانا محمد رمضان ضیاء الباروی

Marfat.com

(مدرسین جامعہ خیر المعاد ملتان) سید فیض عباس قمر بخاری (پرنسپل جامعہ خدیجۃ الکبریٰ بنات الاسلام ٹھٹھہ صادق آباد) مفتی محمد عارف سعیدی (مہتمم جامعہ انوار مصطفیٰ سکھر) پیر سید محمد یٰسین شاہ بخاری (مہتمم جامعہ بخاریہ وخطیب مرکزی جامع مسجد قطب پور) حافظ عبدالعزیز سعیدی (مدرس جامعہ انوارالعلوم ملتان) حافظ نوید اختر و مولانا منور حسین وصاحبزادہ صبغۃ اللہ شاہ (جامعہ مہریہ چک R105/6 براستہ فقیروالی ہارون آباد) مولانا مہر علی حلیمی (قلات بلوچستان) مولانا محمد اسلم سعیدی (مہتمم مدرسہ کاظمیہ سعید المدارس جن پور) مفتی محمد سعید سعیدی (انگلینڈ) مولانا محمد اکرم سعیدی (مہتمم مدرسہ کنز العلوم خیر پور سادات علی پور) مولانا محمد اقبال اظہری (مہتمم درسگاہ محمدیہ اظہر العلوم شجاع آباد) پیر سید محمد قمر الدین شاہ (آستانہ عالیہ حضرت پیر امام شاہ گوگڑاں) صاحبزادہ محمد اسماعیل حسنی وصاحبزادہ عبدالرحمٰن حسنی (دارالعلوم رحمانیہ حسنیہ رضویہ شاہ والا قائد آباد ضلع خوشاب) پیر سید ظفر علی شاہ (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ غوثیہ مہریہ لودھراں) مولانا عبدالرشید (شیخ الحدیث وناظم تعلیم جامعہ غوثیہ ہدایت القرآن ملتان) پیرزادہ خورشید احمد شمس القادری (آستانہ عالیہ فتح پور کمال) قاری خادم حسین سعیدی (مہتمم جامعہ عثمانیہ تعلیم القرآن رشید آباد وجامعہ سعیدیہ للبنات خوشحال کالونی ملتان) مولانا محمد یعقوب معینی (کراچی) مفتی خورشید احمد صدیقی (مہتمم مدرسہ رومیہ مسجد طوطلاں ملتان) مولانا غلام محی الدین فیضی (مدرس پکالاڑاں) قاضی غلام ابی بکر (ٹیچر ٹیکنیکل ہائی سکول ومدرس مدرسہ انوار القرآن بہاول پور) قاضی حسین احمد مدنی (لیکچرار اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور شعبہ کامرس) مولانا عون محمد سعیدی (لیکچرار ایس ای کالج، مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم حسنیہ سعیدیہ بہاول پور) قاری محمد صفدر علی سعیدی ملانہ (لیکچرار ہائر سیکنڈری سکول وخطیب

Marfat.com

جامع مسجد قدیمی بازار والی سرائے سدھو) قاری محمد ہاشم سعیدی (لیکچرار پنجاب کالج وشیخ الحدیث جامعہ سعیدیہ للبنات ملتان) مولانا محمد سلیم سعیدی (خطیب اوقاف ولیکچرار نمل یونیورسٹی اسلام آباد) پیر سید مزمل حسین شاہ کاظمی (بلوچستان مشیر وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد) قاری محمد امین سعیدی (خطیب پاکستان آرمی) قاری اللہ دتہ چشتی وقاری محمد عمر سعیدی (مدرسین دورۂ تجوید وقرأۃ جامعہ انوار العلوم ملتان) مولانا محمد صادق سیرانی (خطیب جامع مسجد باقر آباد اوقاف نیوملتان) مولانا سید محمد نور سعیدی (چٹاگانگ بنگلہ دیش) پیر سید محمد اشفاق احمد بخاری (خطیب دربار حضرت پیر اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ ملتان) پیر محمد نواز شاہ مہروی (مہتمم مدرسہ وخطیب جامع مسجد فریدیہ انصار کالونی ملتان) مولانا محمد میاں نوازی سعیدی (صدر مدرس فیض العلوم ومہتمم کاظمیہ ضیاء الاسلام ملتان) مولانا عبدالرزاق نقشبندی (خطیب پاکستان آرمی) صاحبزادہ سید محمد عالم شاہ (کندھ کوٹ) مفتی محمد حفیظ اللہ مہروی (لودھراں) صاحبزادہ افتخار احمد قادری (ناظم اعلیٰ جامعہ نوریہ ٹرسٹ کوئٹہ) مولانا محمد سعید سعیدی (مدرس جامعہ انوار العلوم ملتان) مولانا غلام محمد سعیدی (صدر مدرس حزب الرحمٰن اکیڈمی دربار قادر بخش شریف کمالیہ) مولانا عبدالحکیم سعیدی (مفتی وصدر مدرس مدرسہ الٰہیہ غوثیہ میاں چنوں) مفتی الطاف احمد چشتی سعیدی (مفتی وصدر مدرس مدرسہ مصباح العلوم میلسی) مولانا عبدالرحمٰن سعیدی وقاری عطا محمد سعیدی (مدرسین دارالعلوم حنفیہ دو دروازہ سیالکوٹ) مولانا محمد صابر سعیدی (مفتی وصدر المدرسین جامعہ غوثیہ مہریہ کبیر والا) قاری ربنواز سعیدی (مدرس مدرسہ مصباح العلوم میلسی) مفتی محمد عابد محمود (مفتی وصدر مدرس ادارہ مصباح القرآن بہاول پور) مفتی محمد یٰسین ومفتی محمد صدیق (مدرسین جامعہ فخر العلوم لاہور) ودیگر بہت سے اسماء

Marfat.com

جو بخوفِ طوالت درج نہ ہو سکے ان سے معذرت۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیبا کی

اللہ تعالیٰ نے استاذ العلماء کو حق گوئی کی جو جرأت عطا فرمائی ہے وہ طلبہ اور علماء کیلئے سبق کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک واقعہ جسے آپ تحدیث نعمت کے طور پر ذکر فرماتے ہیں قارئین کی نذر کرنا ضروری ہے کہ "۱۹۶۸ء میں جب آپ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں ریسرچ سکالر (محقق) کے طور پر کام کر رہے تھے، مقالہ بھی لکھتے اور اسباق بھی پڑھاتے تھے ان دنوں جامعہ میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں پنجاب بھر سے کافی تعداد میں علماء و خطباء تشریف لائے جامعہ کا غلام محمد ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

سیمینار کی صدارت کیلئے کمیونسٹ نظریات کا حامل چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب مسٹر مسعود کھدر پوش آیا وہ شخص اپنے باطل اور ملحدانہ نظریات میں اپنی مثال آپ تھا۔ اپنی تقریر میں اس نے علماء پر تنقید کی، تحقیر کے الفاظ بولے اور اسلام کا نام رسمی انداز میں ذکر کرتے ہوئے کہا جہاں مادی طاقت ہو وہاں ایمان کیا کر سکتا ہے، جہاں توپ کا گولہ گرے وہاں ایمان کیا کر سکتا ہے اس پر علامہ مولانا مشتاق احمد کھڑے ہوئے اور چیف کے ریمارکس پر سخت احتجاج کیا اور اپنا موقف بیان کرنے کیلئے صدر اجلاس سے وقت مانگا۔ علامہ ممتاز احمد چشتی جو آپ کے عزیز ہیں اس وقت جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے انہوں نے اور انکے برادرِ عزیز فقیر محمد نواز صاحب نے تائید کی اور کچھ دیر پہلے کی افسوسناک صورت حال کہ "علماء میں سے کسی نے بھی کھدر پوش کی بدزبانی پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا تھا" یکسر بدل گئی اور ہر طرف اِن حضرات کی آواز گونجنے لگی، صدرِ اجلاس نے مجبوراً وقت دیا تو علامہ مشتاق احمد چشتی نے ایمان کی اہمیت کو واضح کیا اور بڑے واشگاف انداز میں مسعود کھدر پوش کی تردید کی۔ آخر وہ ذلیل ہو کر

Marfat.com

عقبی دروازے سے نکل گیا اور اس طرح حق کا بول بالا ہوا۔ اس واقعے سے حق گوئی اور صداقت کا جو سبق ملتا ہے امید ہے طلبہ کرام اس سے نصیحت حاصل کریں گے۔

''مقام سنت'' آپ کی اہم تصنیف ہے اس کی اشاعت کا اعزاز مکتبہ مہریہ کاظمیہ نیو ملتان کو حاصل ہو رہا ہے (انشاء اللہ العزیز ''علم تفسیر اور مفسرین'' اور ''جمع و ترتیب قرآن'' بھی نئی کمپوزنگ سے جلد شائع کی جائیں گی) یہ گرانقدر تصنیف جہاں منکرین حدیث کے اعتراضات کا تحقیقی جواب ثابت ہوئی ہے، وہاں اہل علم و تحقیق کے ہاں ایک بلند پایہ ماخذ کی حیثیت سے بھی جگہ پا چکی ہے۔ اس کتاب کی وقعت اور مصنف مدظلہٗ کی عظمت کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کی تقریب (مقدمہ) غزالی زماں امام اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مستند قلم کا فیضان ہے۔ اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ ﷺ قبولیت کا شرف عطا فرمائے، امین۔

عبدالعزیز سعیدی

۲۴ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

مطابق سات اکتوبر ۲۰۰۷ء

Marfat.com

تقریب

از غزالی زماں امام اہلسنت

حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم وسابق شیخ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملتان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّابَعْدُ. تاریخ اسلام میں فتنہ انکار حدیث کا آغاز خوارج کے ظہور سے ہوا جسے معتزلہ کے دور میں خاصی تقویت پہنچی مگر ائمہ راسخین اور علمائے دین نے اپنی علمی اور روحانی قوتوں کو بروئے کار لاکر اسے روکا، اس کے بعد مادہ پرستی، الحاد اور لادینی کا دور آیا جس میں اسے دوبارہ سر اٹھانے کا موقع ملا، گویا فتنہء انکارِ حدیث کی دبی ہوئی چنگاری خرمن ایمان کو جلانے کے لئے بھڑک اٹھی جسے بجھانے کی کوشش کرنا ہر اہل علم مسلمان کا فرضِ اولین ہے، زیر نظر مقالہ اسی جدوجہد کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

فاضل جلیل مولانا مشتاق احمد صاحب گولڑوی کا یہ مقالہ معاندین سنت اور منکرین حدیث کے سر پر گویا ضرب قلیم ہے۔ اس مقالہ میں بحث کے ہر پہلو کو دلائل و براہین کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے، منکرین و معاندین

Marfat.com

کے تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کا پوری طرح ازالہ کردیا گیا ہے، انداز بیان دلکش اور دلنشین ہے، زبان نہایت سلیس اور دلائل انتہائی قوی ہیں، منکرین سنت کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں، بدعقیدگی کی بنا پر ان کی طرف سے چند اعتراضات پیش کیے جاتے ہیں جو شکوکِ ضعیفہ واوہام رکیکہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے ہیں۔

مادی اور لادینی طاقتوں کے سہارے یہ فتنہ اُبھر رہا ہے لیکن جس طرح یہ نشاۃِ اولیٰ کے دور میں ناکام رہا، انشاءاللہ اب بھی کامیاب نہ ہوسکے گا اور کتاب وسنت کی روشنی میں دین اسلام اور شریعت کا حسن وجمال ہمیشہ چمکتا رہے گا۔

منکرین حدیث کے اہم ترین شکوک وشبہات حسب ذیل ہیں۔

۱-قرآن کریم جامع اور مکمل کتاب ہے اس لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔

۲-احادیث کا مجموعہ عہد رسالت سے تقریباً دو ڈھائی سو سال بعد میں جمع ہوا لہٰذا قابل اعتماد نہیں۔

۳-احادیث ظنی ہیں اور اتباع ظن کی مذمت قرآن مجید میں وارد ہے اس لئے وہ قابل اتباع نہیں۔

۴-اکثر احادیث قرآن کے خلاف ہیں، اس لئے قابل قبول نہیں۔

Marfat.com

۵-احادیث میں تعارض ہے اس لئے وہ معتبر نہیں۔

جامع اور مختصر الفاظ میں نمبر وار اِن کا ازالہ ہدیہ ناظرین ہے۔

ا- بے شک قرآن جامع اور مکمل کتاب ہے مگر ہم اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے اس کی تفسیر وتوضیح کے محتاج ہیں، حدیث اس کی تفسیر وتوضیح ہے لہٰذا ہمیں اس کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ شبہ وارد کرنا درست نہیں کہ قرآن واضح اور مفصل ہے لہٰذا اس کی تفسیر وتوضیح کے لئے حدیث کی حاجت نہیں کیونکہ قرآن پاک کا واضح اور مفصل ہونا حدیث نبوی اور بیانِ رسالت کی روشنی میں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (کتاب وحکمت کا سکھانا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام ہے) تعلیم نبوی کے بغیر کتاب کا علم حاصل نہیں ہوسکتا، دوسری جگہ فرمایا لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا بیان رسول (ﷺ) کا کام ہے۔ ورنہ بتائیے کہ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا بیان اور اقامتِ صلوٰۃ کی تفصیل اور اسی طرح اداءِ زکوٰۃ کی توضیح قرآن کے الفاظ میں کہاں ہے؟ بیانِ رسول (ﷺ) کی روشنی میں پانچ نمازوں، ان کی رکعتوں کی تعداد اور مقادیر زکوٰۃ کا علم ہمیں حاصل ہوا۔

یہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ سنت وحدیث کتاب اللہ کا معنیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ اَلْقُرْاٰنُ اِسْمٌ لِّلنَّظْمِ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا (لفظ

Marfat.com

اور معنٰی دونوں کا مجموعہ قرآن ہے) ثابت ہوا کہ سنتِ نبوی اور حدیثِ رسول عین قرآن ہے جس کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ رہا یہ شبہ کہ قرآن قطعی ہے اور حدیث ظنی اگر حدیث کو قرآن کا معنٰی قرار دے کر اسے عین قرآن کہا جائے تو قرآن بھی ظنی ہوگا، ہرگز قابل اعتناء نہیں کیونکہ ہم نے جس سنت اور حدیث کو عین قرآن قرار دیا ہے وہ سنتِ متواترہ اور حدیثِ متواتر قطعی ہے، جیسے نمازوں کے پانچ ہونے کی حدیثیں اور تعداد رکعات کی روایات، ارکانِ صلوٰۃ ومقادیر زکوٰۃ کے بیان میں قطعی اور متواتر احادیث یقیناً عین قرآن کے حکم میں ہیں جن کا انکار الفاظِ قرآن کے انکار کی طرح کفر ہے۔

باقی رہیں وہ احادیث جو اخبارِ آحاد ہیں تو اگرچہ وہ عین قرآن نہیں مگر متعلقاتِ قرآن سے ضرور ہیں، اس قسم کے ظنیات الفاظ قرآن کے متعلقات میں بھی پائے جاتے ہیں تمام قراءاتِ آحاد اسی قبیل سے ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح ان احادیثِ آحاد کا انکار بھی شرعاً ممکن نہیں جو باعتبار معنٰی متعلقاتِ قرآن سے ہیں، اسی بنا پر اَدِلہ شرعیہ کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ

۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ

۳۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ

۴۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ

Marfat.com

پہلی قسم کی مثال جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہ اس کا ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہیں اور دوسری قسم جیسے يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوءٍ کہ یہاں لفظِ قُرُوْءٌ منقول متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے مگر حیض یا طہر پر اس کی دلالت ظنی ہے اور لفظِ قُلَّة کے معانی متعددہ میں سے کسی ایک معنٰی پر اس کی دلالت بھی ظنی ہے۔

چوتھی قسم کی مثال حدیث لَوْ كَانَ بَعْدِی نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ ہے کہ خبر واحد ہونے کی وجہ سے اس کا ثبوت ظنی ہے مگر اپنے معنٰی پر اس کی دلالت قطعی ہے، ثابت ہوا کہ ظنیت کو مطلقاً قرآن کے منافی قرار دینا درست نہیں۔

دوسرے شبہ کا ازالہ، کسی بات کا محفوظ رہنا ضبطِ کتابت پر منحصر نہیں، ضبطِ صدر بھی حفاظت کے لئے کافی ہے بلکہ ان دونوں میں اصل ضبطِ صدر ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے نسخوں میں کتابت کی غلطی بذریعہ حفاظ نکالی جاتی ہے۔

اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ احادیثِ نبویہ عہدِ صحابہ سے لے کر تدوین حدیث کے دور تک محدثین کے سینوں میں محفوظ رہیں، اسناد امت محمدیہ کا خاصہ ہے اُمم سابقہ میں سے کوئی امت ایسی نہیں پائی گئی جس نے اپنے نبی کی کسی بات کو سند متصل کے ساتھ نقل کیا ہو جس کی حکمت یہ ہے کہ شریعت

Marfat.com

محمدیہ آخری شریعت ہے اس لئے قیامت تک نبی آخرالزماں ﷺ کی سنت کریمہ اور سیرتِ طیبہ کا محفوظ رہنا ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ راویانِ حدیث کے جملہ احوال کو محدثین نے ضبط کیا، علم اسماء الرجال کی وسعتِ بے پایاں کو ملاحظہ فرمائیں جس کی روشنی میں جھوٹ اور سچ دن اور رات کی طرح نمایاں ہوگیا۔

عہدِ رسالت سے لے کر مصنفینِ کتبِ حدیث تک کوئی دور ایسا نہیں جس میں ضبط اور تدوین مفقود ہو، یہ تسلسل اور اتصال اس شبہ کا استیصال کرنے کے لئے کافی ہے۔

نفس کتابتِ حدیث عہد نبوت سے لے کر آخر تک ثابت ہے البتہ موجودہ کتب کی صورت میں احادیث کی نشر واشاعت میں تاخیر ہوئی مگر اس سے احادیث کے ثبوت میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا ورنہ عہد عثمانی تک جمع قرآن کی تاخیر بھی اس قسم کے شبہات کی بنیاد بن سکتی ہے (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْکَرِیْمِ)

تیسرے شبہ کے ازالہ میں گزارش ہے کہ تمام احادیث ظنی نہیں بلکہ احادیثِ متواترہ، عام ازیں کہ ان کا تواتر لفظی ہو یا معنوی، بہر صورت قطعی ہیں ہاں! اخبارِ آحاد ظنی ہیں مگر ان کی ظنیت موجبِ رد نہیں۔ منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ظن کی اتباع سے روکا ہے اور اسے مذموم قرار دیا ہے لہٰذا اخبارِ آحاد کی اتباع جائز نہیں دجل وفریب ہے۔

Marfat.com

قرآن نے تین قسم کے ظن کی مذمت فرمائی ہے۔ایک وہ جوسوء پر مبنی ہو جسے سوءِ ظن کہتے ہیں،اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ سے یہی مراد ہے۔ دوسرے ظن جاہلیت سے روکا ہے۔تیسرے وہ ظن جوحق کے مقابل اوراس کے خلاف ہو،اس کے متعلق فرمایااِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا، یہ وہی ظن ہے جوحق کے مقابل ہواور دلیل قطعی اس کے خلاف پر پائی جائے ،ایسا ظن واقعی مردود ہے۔ مثلاً کوئی خبر واحد آیتِ قرآنیہ کے صریح خلاف پائی جائے تو وہ یقیناً واجب الرد ہے لیکن ہمارا کلام تو ان اخبارِ آحاد میں ہے جوکسی آیت یا حدیث متواتر کے خلاف نہ ہوں بلکہ قرآن کی تفسیر وتوضیح کرتی ہوں،ان کی اتباع کو مذموم کہنا خود مذموم ہے۔

اخبارِ آحاداور دلیل ظنی کوخود قرآن نے معتبر مانا ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا "زلیخا کے اہل سے ایک گواہ نے (یوسف علیہ السلام کی برأت پر) گواہی دی" یہاں صرف ایک گواہ کی گواہی کا ذکر ہے۔سورۃ القصص میں ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی "ایک آدمی شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا" اس نے موسٰی علیہ السلام کوخبر دی کہ لوگ آپ کے قتل کا مشورہ کررہے ہیں،آپ یہاں سے چلے جائیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کی خبر پر اعتماد کیا اور وہاں سے چلے گئے۔

نیز قرآن مجید میں فرمایا اِسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ الآیة

Marfat.com

یعنی صرف دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا، زنا پر چار گواہ طلب کئے اور فرمایا اَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ظاہر ہے کہ تواتر کے بغیر قطعیت پیدا نہیں ہوتی دو گواہ ہوں یا چار بہر حال ان کی بات ظنی ہوگی مگر قرآن نے اسے ثبوت کے طور پر تسلیم کیا، معلوم ہوا کہ اخبارِ آحاد اور دلائل ظنّیہ کو مطلقاً نا قابل قبول کہنا قرآن کی روشنی میں قطعاً غلط ہے۔

چوتھے شبہ کے بارے میں عرض ہے کہ جو حدیثیں فی الواقع صحیح اور ثابت ہیں ان میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں پایا جاتا، بظاہر کسی کو تعارض نظر آئے تو وہ فہمِ ناظر پر مبنی ہے، اس قسم کا تعارض ملحدین نے آیات قرآنیہ میں بھی پیدا کر دیا جس کی کوئی حقیقت نہیں، اسی طرح احادیثِ صحیحہ ثابتہ کا ظاہری تعارض بھی بے حقیقت ہے۔

پانچواں شبہ، کہ اکثر احادیث قرآن کے خلاف ہیں، پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا، اس شبہ کی بنیاد منکرین کا یہ خیال ہے کہ جو بات قرآن میں صراحۃً مذکور نہ ہو اور حدیث میں آجائے تو وہ خلافِ قرآن ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، صلواتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، مقادیرِ زکوٰۃ اور بے شمار تفصیلات قرآن میں صراحۃً مذکور نہیں، جن احادیث میں وہ تفصیلات مذکور ہیں، کیا انہیں خلاف قرآن کہا جائے گا اور اگر بالفرض کوئی احمق انہیں خلافِ قرآن کہتا ہے تو وہ اقامۃِ صلوٰۃ اور اداءِ زکوٰۃ کا فریضہ کس طرح ادا کریگا۔

Marfat.com

معلوم ہوا کہ خلاف قرآن کے یہ معنٰی غلط ہیں بلکہ وہ باتیں خلاف قرآن ہوں گی جو قرآن کے کسی حکم کی نفی کرتی ہوں، یعنی قرآن میں کسی بات کا ثبوت ہو اور حدیث میں اس کی نفی پائی جائے یا قرآن میں کسی بات کی نفی ہو اور حدیث میں اس کا ثبوت وارد ہو تو یقیناً وہ حدیث قرآن کے خلاف ہوگی مگر احکام قرآن کی تشریح جن احادیث میں وارد ہوئی انہیں کسی طرح بھی خلافِ قرآن قرار نہیں دیا جا سکتا، مثلاً شادی شدہ آزاد مسلمان مرد وعورت کے لئے زنا کی سزا سنگسار کرنا قرآن مجید میں صراحۃً مذکور نہیں، احادیث میں وارد ہے، منکرین اسے خلافِ قرآن قرار دیتے ہیں۔

ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ ارشاداتِ قرآنیہ میں مراد الٰہی کا بیان منصبِ رسالت ہے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ اور لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ ودیگر آیات روزِ روشن کی طرح اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں، بنظر انصاف دیکھا جائے تو رجم کا مسئلہ بالکل اسی نوعیت کا ہے، سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی بدفعلی پر چار گواہ بنالو اور انہیں گھروں میں مقید رکھو حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْيَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ پیدا کردے۔

معلوم ہوا کہ اس آیتِ کریمہ کے نزول تک زنا کی کوئی حد اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی طرف سے مقرر نہیں ہوئی تھی البتہ اشارۃً اس کا ذکر کر دیا گیا تھا اور وہ اشارہ اَوْیَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلاً میں مذکور ہے جس کی وضاحت غیر شادی شدہ کے حق میں سورۂ نور کی آیت اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ میں فرمادی گئی اور شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا سورۃ المائدہ میں توراۃ کے حکمِ رجم کو قرآنی شریعت میں شامل فرما کر کر دی گئی اور ارشاد فرمایا وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَعِنْدَھُمُ التَّوْرَاۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ. اس آیتِ مبارکہ میں حکمُ اللہ سے مراد شادی شدہ عورتوں کا رجم ہے جیسا کہ رسولِ کریم ﷺ کے عمل مبارک سے اس کا قطعی ثبوت موجود ہے۔ توراۃ کے بعض دیگر احکامات کو بھی شریعت محمدی میں شامل فرمایا گیا جیسا کہ اسی سورۂ مائدہ میں ہے وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ الایۃ جس طرح تورات کا یہ حکمِ قصاص شریعت محمدی کا حکم قرار دیا گیا بالکل اسی طرح تورات کا حکم رجم بھی شریعت محمدیہ علی صاحبھا التحیۃ کے احکام میں شامل ہوگیا اور یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ سورۃ النور کی آیت اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ میں قطعاً غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزائیں مراد ہیں۔

منکرین حدیث یہاں ایک ضعیف شبہ وارد کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے زانیہ باندی کی سزا زانیہ محضہ کی سزا کی نسبت

Marfat.com

نصف قرار دی ہے، سورۃ النساء میں فرمایا فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ. محصنات کے معنٰی ہیں شادی شدہ عورتیں ایسی صورت میں اگر شادی شدہ زانیہ کی سزا رجم ہو تو باندی کی سزا محصنات کی سزا کا نصف نہیں ہو سکتی کیونکہ رجم کی تنصیف ناممکن ہے، اس لئے محصنات کی سزا سو کوڑے ہی ہو سکتے ہیں جن کا نصف پچاس کوڑے زانیہ باندی کو مارے جائیں گے، حیرت ہے کہ منکرین حدیث نے نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ میں محصنات کے معنٰی شادی شدہ عورتیں سمجھ لئے۔

منکرین حدیث کا یہ شبہ حیرت انگیز ہے، کاش وہ اس آیت کے ابتدائی حصہ کو دیکھ لیتے تو انہیں قرآن میں اس تحریفِ معنوی کی جرأت نہ ہوتی۔ اس آیت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّامَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِنْ فَتَیَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ یعنی تم میں سے جو شخص (غیر مملوکہ) آزاد ایمان والی عورتوں سے شادی نہ کر سکتا ہو تو وہ ایمان والی مملوکہ باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہاں محصنات کو فتیات مملوکات کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے، ایسی صورت میں محصنات سے مراد قطعاً غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں جو کسی کی مملوکہ نہ ہوں نہ وہ کسی کی منکوحہ ہوں کیونکہ منکوحہ غیر سے نکاح حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ کنواری آزاد عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا رجم نہیں

Marfat.com

بلکہ سوکوڑے ہیں، اس کی نصف یعنی پچاس کوڑے باندیوں کی سزا مقرر ہوتی، منکرین حدیث نے ہر جگہ محصنٰت کے معنٰی شادی شدہ عورتیں سمجھ رکھے ہیں، یہ ان کی لاعلمی اور غلط فہمی ہے، دراصل محصنات کے معنٰی ہیں وہ عورتیں جو حصار میں ہوں، حصار تین ہیں۔ اسلام، حریت اور نکاح، قرآنِ مجید میں محصنات کا لفظ منکوحہ عورتوں کے لئے بھی وارد ہے جیسے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُم .....

یہاں المحصنٰت سے منکوحات مراد ہیں لیکن منکرین حدیث کی پیش کردہ اس آیت سے شادی شدہ عورتیں مراد نہیں بلکہ مسلمان کنواری آزاد عورتیں مراد ہیں جو نکاح کے حصار میں نہیں بلکہ اسلام اور حریت کے حصار میں ہونے کی وجہ سے محصنات قرار پائیں جیسا کہ اس آیت کے ابتدائی حصہ سے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ کے الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ یہاں محصنات سے کنواری آزاد عورتیں مراد ہیں، اسی طرح حلال عورتوں کے بیان میں سورۃ المائدہ کی آیت ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ، یہاں بھی المحصنات سے دونوں جگہ غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں کیونکہ منکوحہ سے نکاح حرام ہے۔

Marfat.com

واضح ہوکہ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ سے مراد آزاد کنواری عورتوں کی سزا ہے اور وہ سو کوڑے ہی ہے جس کا نصف پچاس کوڑے باندیوں کی سزا مقرر کی گئی "وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" منکرینِ حدیث کا رجم کو خلافِ قرآن قرار دینا ایک مغالطہ تھا جو اس بیان سے دور ہو گیا۔

ہر منصف مزاج اہل علم اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے احکام کی وضاحت احادیث سے ہی مل سکتی ہے۔ یہ لوگ تاریخی واقعات کو تسلیم کر لیتے ہیں حالانکہ وہ معتبر اور متصل اسانید سے منقول نہیں ہوتے لیکن احادیثِ نبویہ کو نہیں مانتے جبکہ ان کی اسانید معتبرہ متصلہ سب کے سامنے موجود ہیں، رجم کی احادیث تو اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ تاریخی نقطہ نظر سے بھی ان کا انکار ناممکن ہے، عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں رجم پر عمل ہوا، اسلامی حکومتوں کا کوئی دور ایسا نہیں جس میں رجم کو متروک قرار دیا گیا ہو اور ان کا ثبوت شہرت و تواتر سے ہم تک پہنچا قرآن میں اصل حکم موجود ہے، البتہ اس کی وضاحت حدیث اور سنتِ نبوی میں پائی گئی، اسی صورت میں ان احادیث کو خلافِ قرآن قرار دینا دین متین اور شریعتِ محمدیہ کو مسخ کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس فتنہ سے بچائے اور اپنے دین کو

Marfat.com

دشمنانِ دین سے محفوظ رکھے۔ امین،

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

الفقیر السید احمد سعید الکاظمی غفرلہ

۸ فروری ۱۹۷۷ء

Marfat.com

حَامِدًا وَّمُصَلِّیاً

پیش لفظ

اہل علم حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ کتاب وسنت میں ایسا باہمی گہرا ربط ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو تھامنا ناممکن ہے، یہی دو وہ بنیادی اصول ہیں جن پر دین کی پوری عمارت قائم کی گئی ہے، یہی وہ بنیادی حقیقی اصول ہیں جنہیں قرآنِ مجید نے عروۂ وثقیٰ اور حبل متین سے تعبیر کیا ہے اور ان سے تعلق وتمسک کو بنیادِ ہدایت قرار دیا اور ان سے علیٰحدگی اور لاتعلقی کو بنیادِ ضلالت ٹھہرایا ہے، رسول کریم ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ . (الحدیث) [1]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے، ان میں ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری رسولِ خدا ﷺ کی سنت ہے''۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے کتاب وسنت سے قلبی رابطہ قائم رکھا اور ان کی اہمیت وعظمت کو پیشِ نظر رکھا تو کسی فتنے کو سر اٹھانے

---

[1] مؤطا امام مالک، باب النہی عن القول فی القدر، ص ۷۰۲۔ ایضاً مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۳۔

Marfat.com

کی جرأت نہ ہوئی لیکن جب سے بعض کوتاہ اندیشوں نے حدیث کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی اور اس شہ رگ کو کاٹنے کی حماقت کی، اسلامی نظام حیات کی برکات سے لوگ محروم ہو گئے۔

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک مسلمان حدیث کی اہمیت پر متفق رہے۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اس فتنے نے سر اُٹھایا چنانچہ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں:

وَاَیْضًا فَاِنَّ جَمِیْعَ اَھْلِ الْاِسْلَامِ کَانُوْا عَلٰی قُبُوْلِ خَبَرِ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْرِیْ عَلٰی ذٰلِکَ کُلُّ فِرْقَةٍ فِیْ عِلْمِهَا کَاَھْلِ السُّنَّةِ وَالْخَوَارِجِ وَالشِّیْعَةِ وَالْقَدْرِیَّةِ حَتّٰی حَدَثَ مُتَکَلِّمُوا الْمُعْتَزْلَةِ بَعْدَ الْمَائَةِ مِنَ التَّارِیْخِ فَخَالَفُوْا الْاِجْمَاعَ فِیْ ذٰلِکَ. [1]

تمام مسلمان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت شدہ خبر واحد کے قبول کرنے پر متفق تھے اور اس پر تمام فرقے اہل سنت، جبریہ، قدریہ، شیعہ بھی اپنے علم کے مطابق عمل پیرا تھے یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد متکلمینِ معتزلہ کا دور آیا جنہوں نے اس اجماع کی مخالفت کی"۔

خوارج اور معتزلہ نے سب سے پہلے فتنہء انکار حدیث کو ہوا دی خوارج کو انکار سنت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہ ملت میں جو انتشار

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۱ ص ۱۱۴۔

Marfat.com

اورافتراق پھیلانا چاہتے تھے سنت رسول ﷺ اس کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھی ان کی راہ میں رسول اکرم ﷺ کے وہ ارشادات حائل تھے جو اُن کے انتہا پسندانہ نظریات کے برخلاف ایک معتدل مسلک کی دعوت دیتے تھے اس لئے انہوں نے سنت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات ڈالنے اور اس کے واجب الاتباع ہونے کی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی، معتزلہ نے سنتِ رسول کے بارے میں اس لئے غلط نظریہ پیش کیا کیونکہ وہ یونانی فلسفہ سے بے حد متأثر تھے اور اس حد تک ذہنی طور پر شکست خوردہ تھے کہ فلسفہ یونان کے آگے قرآنی حقائق توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سننِ نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو فلسفہ یونان کے نظریات سے متصادم ہے تو انہوں نے احادیث کی حجت سے انکار کرنا شروع کر دیا، تاہم یہ انکار اخبارِ آحاد تک محدد تھا۔

اس دور کے علماءِ ربانیین نے اس فتنے کا بڑی جرأت اور پامردی سے مقابلہ کیا چنانچہ سب سے پہلے امام شافعی نے اپنی مشہور تصنیف ''الرسالہ'' اور ''کتاب الام'' کی ساتویں جلد میں اس فتنہ کا رد کیا اور سنت کی اہمیت کو واضح کیا۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اس سلسلے میں ایک جزء تصنیف کی جس کا کچھ حصہ علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین کی دوسری جلد میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح امام غزالی نے ''المستصفٰی'' میں اور حافظ ابن حزم نے

Marfat.com

''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں اور محمد بن ابراہیم وزیر نے ''الروض الباسم ''میں سنت کی اہمیت کو واضح کیا اور فتنہء انکارِ سنت کا بلیغ رد کیا۔ متاخرین میں علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس موضوع پر رسالہ تصنیف کیا بعد میں یہ مسئلہ اصول فقہ کی کتابوں کا جز بن گیا۔

علماءِ کرام کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ فتنہ کافی عرصہ تک دبا رہا اور اسے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر اس فتنے نے تیرہویں صدی میں سر اٹھایا لیکن اب اس کا مرکز عراق کی بجائے ہند کی سرزمین بنی۔ سب سے پہلے سر سیّد احمد خاں اور مولوی چراغ علی نے اس کی ابتدأ کی پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اس کا بیڑا اٹھایا، بعد میں مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کی قیادت کی، پھر جناب اسلم جیراجپوری اس فتنے کو لے کر آگے بڑھے، پھر اس کی قیادت ان کے شاگرد رشید چودھری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی جنہوں نے رفتہ رفتہ اسے ضلالت کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ چند سال ہوئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری نے بھی بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اس فتنے کو ہوا دینے کی کوشش کی ہے، ان کے سامنے ان کے پیشروؤں کی غلطیاں بھی ہیں اور وہ تلخ تجربے بھی جو اس تحریک کی ناکامی کے اسباب بنے، اس لئے انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ انہوں نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ کے مجلّہ ''فکر ونظر'' میں جو کچھ لکھا ہے ہم نے اسے غور سے پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے جس کے بعد ہم اس

Marfat.com

نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اِن کا فتنہ اُن منکرین سنت سے بھی زیادہ خطرناک ہے جو کھلم کھلا سنت رسول ﷺ کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ صاحب اپنے آپ کو سنت کا قائل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور قارئین کو بار بار اس مغالطے میں ڈالنے کی سعی میں مصروف ہیں کہ وہ سنت کو ایک حقیقتِ ثابتہ تسلیم کرتے ہیں، مستشرقین کے تصورِ سنت پر کہیں کہیں تنقید بھی کرتے ہیں لیکن باتوں باتوں میں وہی کچھ کہہ جاتے ہیں جو مستشرقین کہتے ہیں۔ سنت کو برائے نام تسلیم بھی کرتے ہیں لیکن سنت کی تشریح اس انداز میں کرتے ہیں جس سے کم از کم جمہور اہل اسلام تو ضرور نا آشنا ہیں۔ وہ سنت کو ارتقاً پذیر ثابت کرنے کے لئے حالاتِ زمانہ کے مطابق اس میں ترمیم وتنسیخ کو نہ صرف جائز بلکہ جزوِ سنت سمجھتے ہیں اور پھر ان کی جرأت دیکھئے کہ اس مذموم اندازِ فکر میں خلفاءِ راشدین اور ائمہ مجتہدین کو بھی اپنا ہم نوا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

ان کی ایک اور گہری چال بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ سنت اور حدیث کے درمیان بُعد کو ثابت کرنے کے لئے ''تحریکِ حدیث'' کو سنت کا مخالف اور اتباعِ سنت کو اتباعِ حدیث کا مخالف قرار دیتے ہیں، سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کے خیالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے بہت ہی تھوڑا ذخیرۂ سنن چھوڑا اور وہ بھی ان کے خیال میں غیر واضح اور ناکافی تھا، سنت کی آئینی حیثیت سے انحراف کرنے

Marfat.com

کے لئے انہیں یہ کہتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی کہ رسول اکرم ﷺ کو قومی ریاست کی تنظیم میں مشغول رہنے کی وجہ سے اتنا وقت نہیں ملا کہ وہ زندگی کے لئے قوانین مرتب فرماتے۔

سنت کے بارے میں غلط نظریہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر سے یہ بات بھی نمایاں ہو جاتی ہے کہ وہ صحیح احادیث کے بارے میں بھی خواہ مخواہ شبہات ڈالنے کے بارے میں اپنے پیشروؤں سے کچھ زیادہ پیچھے نہیں، ہم نے مختلف روایات پر ان کے تنقیدی ریمارکس دیکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک مفروضہ قائم کر لیتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں دور میں وضع کی گئی ہوگی، اس کے لئے فلاں فلاں عوامل اور محرکات ہوں گے۔ وہ اصول فن کی روشنی میں نہ تو متن پر کوئی کلام کر سکتے ہیں اور نہ ہی سند پر کوئی صحیح تنقید، بس اپنے پیشروؤں اور زیادہ تر ''یورپی محسنین'' کے علمی سرمائے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، احادیث صحیحہ کے متعلق شکوک وشبہات ڈالنا ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے جسے وہ تاریخی حقائق، داخلی وخارجی شہادت اور خدا جانے کن کن حسین ناموں سے موسوم کرتے ہیں؟

انکارِ حدیث کے سنگین نتائج

انکارِ حدیث کی صورت میں قرآن اور اسلام کے بنیادی اصولوں میں یہیں سے تحریف تک نوبت پہنچ جاتی ہے، سنت رسول کو چھوڑنے کے بعد قرآن

Marfat.com

کا دامن تھامنا ناممکن ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے احادیث کی ا
ہمیت کا انکار کیا ہے انہوں نے قرآن اور اسلام کے بنیادی تصورات پر بھی ہاتھ
صاف کئے ہیں۔ عصر حاضر میں فتنہء انکارِ حدیث کے سرخیل چودھری غلام
احمد پرویز صاحب نے قرآن مجید کو جس طرح اپنے ظلم وستم کے لئے تختہ مشق
بنایا ہے اس کا اندازہ حسبِ ذیل اقتباسات سے لگایا جاسکتا ہے۔

☆ ''اللہ اور رسول کا تصور: اللہ ورسول سے مراد مرکزِ ملت ہے اور
اولی الامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت'' [1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

☆ ''رسول اللہ کے بعد خلیفۃ الرسول، رسول اللہ کی جگہ لے
لیتا ہے اور اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد اس جدید مرکزِ ملت کی
اطاعت ہے'' [2]

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ان کے حقائق ومعارف سنئے:

☆ ''اور چونکہ خدا عبارت ہے ان صفاتِ عالیہ سے جنہیں
انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قانونِ خداوندی کی اطاعت
درحقیقت انسان کی اپنی فطرتِ عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے''۔ [3]

جنت وجہنم کے بارے میں جمہور اہل اسلام سے ہٹ کر انہوں نے
یہ تصور پیش کیا ہے۔

---

[1] معارف القرآن، ج۴ ص۶۲۵۔ [2] ایضاً ج۴: ص۶۸۶۔ [3] ایضاً ج۴: ص۴۲۰۔

Marfat.com

☆ ''بہرحال مرنے کے بعد جنت وجہنم مقامات نہیں، انسانی ذات کی کیفیات ہیں''۔[1]

نماز کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

☆ ''عجم میں پارسیوں (مجوسیوں) کے یہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا ہے''۔[2]

☆ ''یہ لفظ اُنہی کا ہے اور ان کی کتابوں میں موجود ہے لہٰذا ''صلوٰۃ'' کی جگہ نماز نے لے لی اور قرآن کی اصطلاح ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کا ترجمہ ہوگیا ''نماز پڑھو'' چنانچہ اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' سے ذہن نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔[3] لیکن غور کیجئے کہ قرآنِ حکیم نے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا، قیامِ صلوٰۃ یعنی نماز کے نظام کے قیام کا حکم دیا ہے وَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اپنے آپ کو قانونِ خداوندی کی حفاظت میں لے آؤ، مرکزِ ملت کو ان میں (جزئیاتِ نماز میں) تغیر وتبدل کا حق ہوگا''۔[4]

زکوٰۃ کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

☆ ''زکوٰۃ ٹیکس کے علاوہ کچھ نہیں، جو اس کی اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے، اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی اس لئے شرحِ ٹیکس کا انحصار ضروریاتِ ملی پر ہے حتیٰ کہ ہنگامی صورتوں میں وہ سب

---

[1] لغات القرآن، ج ۱: ص ۴۴۸۔ [2] قرآنی فیصلے ص ۱۱۔ [3] ایضاً ص ۲۶، ۲۷۔
[4] طلوع اسلام شمارہ جون ۱۹۵۰ء، ص ۴۷۔

Marfat.com

کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو لہٰذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی''۔ [1]

ختمِ نبوت کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ ہو:

''ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعے رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرہ کی باگ ڈور اشخاص کے بجائے نظام کے ہاتھ میں ہوا کرے گی''۔ [2]

غور کا مقام ہے کہ یہ ختمِ نبوت کے جیسے بنیادی عقیدے کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

معراج جیسے عظیم ترین معجزہ کا انکار اور قرآنی آیت کی تحریفِ معنوی کس طرح کی ہے اس کا اندازہ حسبِ ذیل حوالہ سے لگایئے:

☆ (آیتِ قرآنی سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کے متعلق لکھا ہے) ''خیال ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کا شبِ ہجرت کا بیان ہے، اس طرح مسجدِ اقصیٰ سے مراد وہ مسجد ہے جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر کرایا''۔ [3]

ہم نے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مختصر اقتباسات پیش کر دیئے ہیں، ان سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انکارِ سنت کی کڑی کہاں جا کر ملتی ہے اور انکارِ سنت کے نتیجے میں اسلام کے بنیادی عقائد اور ارکانِ دین پر کس طرح ہاتھ صاف کیا جاتا ہے۔

---

[1] قرآنی فیصلے، ص ۳۵، ۳۷۔ [2] سلیم کے خطوط۔ [3] معارف، ج ۴ : ص ۷۳۶۔

Marfat.com

فتنہء انکارِ سنت کو پھیلانے کے عام حربے

سنت کے خلاف حال کے منکرین سنت کی مہم جن مختلف مراحل میں جاری ہے ہم اس مختصر سے مضمون میں اس پوری مہم کا تفصیلی جائزہ تو نہیں لے سکتے تاہم اجمالاً کچھ کہہ دیتے ہیں، منکرین سنت کے حربے یہ ہیں:

(۱) احادیث کو مشکوک ثابت کرنے کے لئے مستشرقین نے جو کچھ کام اب تک کیا ہے اسے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ اردو میں ڈھال کر ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرنا، مستشرقین کو بے لاگ ناقد اور غیر متعصب محقق قرار دیتے ہوئے سنت کے متعلق ان کے نظریات کو مبنی بر تحقیق قرار دینا اور الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ بار بار انہی نظریات کی اشاعت کرنا۔

(۲) احادیث کے مجموعوں کو محض عیب جوئی اور نکتہ چینی کی نظر سے کھنگالنا بالکل اسی انداز میں جس میں عیسائیوں نے قرآن کو کھنگالنے کی کوشش کی تھی، پھر ان مجموعوں سے چند ضعیف اور غیر مستند روایات کو لے کر شور مچادینا کہ احادیث کے سب مجموعے ہی ایسے ہیں۔

(۳) ایسی باتیں جو عام انسانی عقل کی سطح سے بلند ہیں لیکن بعض احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے، ان کی تشہیر کرنا اور یہ تأثر دینا کہ تمام احادیث عقل ودانش کے تقاضوں سے ہٹی ہوئی ہیں۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے ترجمان القرآن کا منصب رسالت نمبر۔

Marfat.com

(۴)رسولِ اکرم ﷺ کے منصب کو معاذ اللہ، محض ایک پیغام رساں اور ڈاکیے کا منصب دے کر صرف الفاظِ قرآن پر زور دینا اور سنت کی اہمیت کو ختم کرنے کی مذموم کوشش کرنا۔

(۵)صرف قرآن مجید کے مأخذِ قانون ہونے پر زور دینا اور یہ کہنا کہ جب قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے تو پھر سنت کی حاجت ہی کیا ہے؟ اسی طرح جامعیتِ قرآن کی آڑ میں سنت کی آئینی حیثیت کا انکار کرنا۔

(٦)بڑے بڑے ائمہ کرام اور محدثین عظام کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلانا کہ انہوں نے خود ساختہ روایات کو فروغ دینے کے لئے مل کر سازش کر رکھی تھی، نیز اربابِ اقتدار کو خوش کرنے کے لئے ان کے حسبِ منشا احادیث وضع کرنا (معاذ اللہ) ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

(۷)اب بعض یار لوگوں نے کافی سوچ بچار کے بعد اپنی مقصد بر آری کے لئے یہ کہنا بھی شروع کر دیا ہے کہ حالاتِ زمانہ کے مطابق سنت کی نت نئی تعبیر کی جا سکتی ہے اور حاکمِ وقت کو مشورہ سے سنت میں ترمیم کا حق پہنچتا ہے لیکن یہ ترمیم و تنسیخ سنت سے جداگانہ کوئی چیز نہیں بلکہ سنتِ جاریہ بھی ہے جس پر صحابہ کے دور سے عمل ہوتا چلا آیا ہے اور بڑے بڑے فقہاء و مجتہدین نے بھی ایسا ہی کیا ہے لہٰذا اب سنت میں ترمیم و تنسیخ کا دروازہ بند کرنا گویا سنت کے ارتقاً کو روکنا اور اس میں حرکت و نمو کے بجائے جمود پیدا کرنا ہے۔ اقرارِ سنت کے رنگ میں انکارِ سنت کی یہ وہ بدترین شکل ہے جسے آج کل

Marfat.com

بعض بڑے بڑے نام نہاد دانشور قوم کے سامنے تحقیق اور ریسرچ کے نام سے پیش کرنے میں مصروف ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ

یہ مقالہ اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود سنت کی اہمیت وعظمت کو ذہن نشین کرانے کے لئے لکھا گیا ہے۔اس مقالے کی تیاری کے لئے ان حضرات کے نظریات کو بھی بڑے غور سے پڑھا گیا ہے جو سنتِ رسول ﷺ کے خلاف اپنی مہم میں پوری طرح مصروف ہیں اور پھر جن حضرات نے اس فتنے کو روکنے کے لئے قلم اٹھایا ہے انکی تحریرات کا بھی پوری توجہ سے مطالعہ کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ سننِ نبویہ کے اصل ذخائر، تاریخی وسیرت کی مستند کتب اور اصولِ فقہ واصولِ حدیث کے ان علمی شاہکاروں سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے جن سے اس موضوع میں مدد مل سکتی ہے نیز اپنی طرف سے دیانتداری کے ساتھ کوشش کی ہے کہ اختصار کے ساتھ ان شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے جو سنت کی شرعی حیثیت کے سمجھنے میں بعض حضرات کو لاحق ہوئے ہیں۔ابتداءً سنت کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے، پھر کتاب اللہ کی روشنی میں سنت کا مقام مختصر پیرائے میں بیان کیا ہے، بعد میں سنت کی ہر دو تشریحی وتشریعی حیثیتوں پر تفصیلی بحث کی

Marfat.com

ہے، اس ضمن میں فہم قرآن کے لئے سنت کی ضرورت واہمیت کو مختلف مثالوں سے سمجھانے کی بھی کوشش کی ہے۔

چونکہ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کی نظر میں سنت کا وہ مقام نہیں تھا جو بعد میں علماءِ کرام نے بیان کیا ہے اس لئے مستند تاریخی کتابوں اور احادیث کے مجموعوں سے اس سوال کو بھی حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ اور خلفاءِ راشدین کی نظر میں سنت کا مقام کیا تھا۔

آخر میں سنت کے مختلف اقسام اور ان کی اصولی حیثیت پر بھی اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی روشنی میں مختصر بحث کی ہے۔

یہ ہماری پہلی کوشش اور منزل کی طرف پہلا قدم ہے، خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ اسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے، وَعَلَى اللّٰهِ التَّوَكُّلُ وَهُوَالْمُسْتَعَانُ۔

احقر الانام مشتاق احمد چشتی عفی عنہ

خادم شعبہء حدیث جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف

Marfat.com

سنت کا مفہوم

سنت کا لفظ لغت میں صورت، سیرت، نہج اور طریقہ کے معانی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ علامہ مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ اَلسِّیْرَةُ وَمِنْهُ الْحَدِیْثُ فَقَامَ رَجُلٌ قَبِیْحُ السُّنَّةِ اَیِ الصُّوْرَةِ الخ۔[1]

اسی طرح علامہ جوہری صحاح میں لکھتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ اَلسِّیْرَةُ قَالَ الْهِنْدِیُ (خَالِدُ بْنُ وَلِیْدٍ)

فلا تجز عن سیرة انت سیرتها فاول راض سنة من یسیرها[2]

علامہ ابن منظور افریقی نے فعل سَنَّ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

سَنَّ الشَّیْئَ یَسُنُّهُ سَنًّا فَهُوَ مَسْنُوْنٌ وَّسَنِیْنٌ وَسَنَّنَهُ اَحَدَّهُ وَصَقَّلَهُ وَسَنَّ اللّٰهُ سُنَّةً اَیْ بَیَّنَ طَرِیْقاً قَوِیْمًا۔[3]

علمائے لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ سنت، صورت اور سیرت دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ فعل سَنَّ کا اسناد جب خدا تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنٰی ہیں صحیح راہ مقرر کرنا۔

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ سنَّتُ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا طریقِ حکمت اور قانون ہے ارشادِ خداوندی وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰ

---

[1] تاج العروس، ج۹: ص۳۴۴۔ [2] صحاح جوہری، ج۵: ص۲۱۳۹۔ [3] لسان العرب ۱۳: ص۲۲۷۔

تَبْدِیْلًا کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اصل قانونِ الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں گو شرعی احکام کی صورتیں مختلف انبیاء کرام کے زمانوں میں بدلتی رہی ہیں لیکن ان کا اصل مقصود یعنی تزکیہ باطن اور قربِ الٰہی کا حصول ہمیشہ سے ایک چلا آتا ہے۔[1]

علامہ شیخ محمد طاہر نے مجمع بحارالانوار میں سنت کا لغوی وشرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَلسُّنَّةُ فِی الْاَصْلِ اَلطَّرِیْقَةُ وَالسِّیْرَةُ وَفِی الشَّرْعِ یُرَادُ بِهَا مَااَمَرَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ وَنَهٰی عَنْهُ وَنُدِبَ اِلَیْهِ قَوْلًا وَفِعْلاً مِمَّا لَمْ یَأْتِ بِهِ الْکِتَابُ الْعَزِیْزُ.[2]

سنت اصل میں طریقہ وسیرت کا نام ہے، شریعت میں اس سے مراد وہ امور ہیں جن کی صراحت قرآنِ مجید میں نہیں مگر رسولِ خدا ﷺ نے اپنے قول وفعل سے ان کا حکم دیا ہے یا ان سے منع کیا ہے یا انہیں مندوب قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر یوئن بل نے حدیث وسنت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اصل میں حدیث بمعنٰی روایت وحکایت ہے عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی لیکن اس کا خاص مفہوم پیغمبرِ اسلام ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کے اقوال وافعال کے بیان کے لئے مخصوص ہے، مؤخرالذکر مفہوم کے اعتبار سے مسلمانوں کی تمام مقدس روایات کو حدیث اور ان کے متعلقہ

---

[1] مفردات القرآن، ۲۴۵۔

[2] مجمع بحارالانوار، ج ۲: ص ۱۴۵۔

Marfat.com

فن کو علم الحدیث کہا جاتا ہے"۔

لفظِ سنت اس راہ کیلئے بولا جاتا ہے جس پر کوئی چلنے کا عادی ہو لیکن اسلام میں غیر مسلم آباء کے رسم ورواج اپنانے پر سنت کا اطلاق نہیں کیا جاتا، مسلمانوں کے ہاں سنت کا ایک نیا مفہوم ہے جس کی رو سے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ کے طرزِ عمل کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں نمونہ بنائے، اسی لئے سنتِ رسول کے متعلق تمام معلومات کو محفوظ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی۔

آخری جملہ خاص طور پر قابل غور ہے جس میں حفاظتِ سنت کا اعتراف ایک غیر مسلم مفکر کر رہا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

AND EVERY ENDEAVOUR WAS MADE TO PRESERV INFORMATION REGARDING IT. (اشاریہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۱۱۶)[1]

سنت کے اصطلاحی معانی

لفظِ سنت اصطلاحی طور پر مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے ان میں حسبِ ذیل تین معانی زیادہ مستعمل اور مشہور ہیں:

(۱) سنت بمقابلہ بدعت، اس معنٰی کی رو سے سنت اس طریق کار کا

---

[1] شاریہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ص ۱۱۶۔

Marfat.com

نام ہے جسے حضور ﷺ نے رائج فرمایا اور جو حضور ﷺ کی بتائی ہوئی راہ سے منحرف نہیں، چاہے اس طریق کار کا ثبوت قرآنِ مجید سے ہو یا حدیث رسولِ خدا ﷺ سے یا خلفائے راشدین کے طریقے سے، جو طریقِ کار اس کے منافی ہوگا وہ بدعت کہلائے گا۔

جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث باختلافِ الفاظ مروی ہے:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. [1]

"تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنائے رکھو اور انہیں مضبوطی سے اپنے دانتوں کے نیچے دبائے رہو (پختگی سے عمل پیرا رہو) اور اپنے آپ کو نئے امور سے بچائے رہو کیونکہ ہر اختراع شدہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

اس حدیث سے کچھ حضرات نے بدعت کا وسیع مفہوم نکالا ہے، اس وقت ہمارے پیش نظر بدعت کی بحث نہیں لیکن بنا بر مناسبت امام شافعی کا ایک قول پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے امامِ نووی نے امام بیہقی کے

---

[1] سنن ترمذی، ج ۲: ص ۹۷۔ سنن ابی داؤد، ج ۲: ۶۲۵۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱: ص ۱۹۔

Marfat.com

حوالے سے نقل کیا ہے، یہ قول بدعت کے بارے میں بہت سے شبہات کا ازالہ کردینے کے لئے کافی ہے، امام محی الدین نووی لکھتے ہیں:

وَرَوَی الْبَیْهَقِیُ بِاِسْنَادِهٖ فِیْ مَنَاقِبِ الشَّافِعِیِّ عَنِ الشَّافِعِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا مَااُحْدِثَ مِمَّا یُخَالِفُ کِتَابًا اَوْ سُنَّةً اَوْ اَثَرًا اَوْ اِجْمَاعاً فَهٰذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَالثَّانِیَةُ مَااُحْدِثَ مِنَ الْخَیْرِ لَا خِلَافَ لِوَاحِدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَهٰذِهٖ مُحْدَثَةٌ غَیْرُ مَذْمُوْمَةٍ.[1]

''امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب الشافعی میں حضرت امامِ شافعی سے روایت کیا ہے کہ محدثاتِ امور کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اجماع کے خلاف ہو، یہ بدعتِ ضلالت ہے اور دوسرے وہ امور محدثہ جو امورِ خیر سے ہوں، ان میں علماء حق کا کوئی اختلاف نہیں اور یہ امورِ محدثہ غیر مذموم ہیں''۔

غرضیکہ جب لفظِ بدعت سنت کے مقابلے میں بولا جائے گا تو اس سے بدعتِ ضلالت ہی مراد ہوگی، سنت کے اس مفہوم کے اعتبار سے سوادِ اعظم کو اہلِسنت کہا جاتا ہے۔ محدثین کے ایک خاص طبقے نے ان نصوص کو جو متشابہ سمجھی جاتی ہیں اپنے صحیح مفہوم پر رکھنا سنت اور ان میں کجروی سے کام

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات، ج ۲: ص ۲۲۔

Marfat.com

لیتے ہوئے غلط تاویلیں نکالنے کو بدعت قرار دیا ہے، امامِ بخاری نے صحیح بخاری میں اسی اصول کے پیشِ نظر کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کا عنوان قائم کیا ہے، اسی طرح امامِ ابوداؤد سجستانی نے کتاب السنہ کا عنوان قائم کیا ہے اور علامہ شاطبی نے تو الاعتصام کے نام سے مستقل کتاب لکھ دی ہے۔

غرضیکہ محدثین اور متکلمین کے نزدیک سنت کا یہ استعمال کافی شہرت رکھتا ہے۔

۲-سنت کا فقہی مفہوم: سنت کا لفظ فقہاءِ کرام کی اصطلاح میں ان مستحسن امور کے لئے بولا جاتا ہے جن پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مداومت فرمائی ہو لیکن کبھی کبھی ترک بھی کر دیا ہو۔[1] پھر سنت کی بھی دو قسمیں ہیں، سنن ہدیٰ اور سُنن زوائد، ان میں سے ہر ایک کے تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

۳-سنت کا اصولی مفہوم: علمائے اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات، سب پر ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

وَفِی اصْطِلاَحِ الْاُصُوْلِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ فِعْلُهٗ وَتَقْرِيْرُهٗ.[2]

"علمائے اصول کی اصطلاح میں سنت رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے۔"

---

[1] فتح القدیر، ج ۲: ص ۱۳۔ [2] تحریر الاصول، ج ۲: ص ۲۲۳۔

Marfat.com

سنتِ قولی کا اطلاق آپ کے ارشادات پر کیا جاتا ہے چاہے وہ حدیثِ متواتر کی صورت میں ہو یا خبرِ واحد کی شکل میں۔ان پر تفصیلی بحث انشاءاللہ اس مقالے کے آخر میں کی جائے گی۔

سنتِ فعلی میں تفصیل [1] ہے، علمائے اصول نے کہا ہے کہ اگر کسی فعل کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے تو اس پر افرادِ امت کو عمل کرنے کی اجازت نہیں مثلاً نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا ، چار سے زیادہ بیویاں حلال ہونا وغیرہ۔اگر وہ فعل خصائص سے نہ ہو تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو وہ افعالِ عادیہ طبعیہ سے ہوگا جیسے کھانا پینا اور لباس پہننا، یہ افعال طبعیہ واجب الاتباع نہیں، تاہم ان میں ادائے نبوت کی پیروی کی وجہ سے ثواب ضرور ملتا ہے، یہ افعالِ طبعیہ کی پیروی تھی کہ رسولِ خدا ﷺ نے دورانِ سفر جہاں قیام فرمایا اونٹنی بٹھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی جذبہءاتباع میں ویسے ہی کیا کرتے تھے، اسی جذبہءمحبت کی بنا پر حضرتِ بایزید بسطامی نے عمر بھر خربوزہ نہیں کھایا کیونکہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضور رحمتِ دو عالم ﷺ نے اسے کس طرح استعمال فرمایا ہے؟

علامہ اقبال نے اسی جذبہ محبت سے سرشار ہو کر یہ اشعار کہے۔

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اصول الفقہ خضری، ص ۲۹۴۔ ایضاً بحثِ افعال اصول بزدوی، ص ۲۲۸۔

Marfat.com

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار تا کمندِ تو شود یزداں شکار

کامل بسطام در تقلیدِ فرد اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

اگر افعالِ عادیہ سے نہ ہو بلکہ کتاب اللہ کے کسی مجمل حکم کا بیان ہو مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے بیان کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمادینا صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (تم نماز پڑھو جیسا کہ مجھے پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو)۔ ایسی صورت میں بیانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہی حیثیت ہوگی جو اصل حکمِ منصوص کی ہے۔ اگر اس کا بیان ہونا معلوم نہ ہو سکے مگر کوئی صفتِ وجوب یا استحباب وغیرہ معلوم ہو جائے تو اسی حیثیت کے مطابق عمل کیا جائے گا، اگر اس کی کوئی صفت معلوم نہ ہو سکے تو اگر وہ افعالِ قرب سے ہو جیسے وہ دوگانہ جس پر مواظبت نہیں، تو وہ مندوب ہے ورنہ مختلف فیہ ہے، امام مالک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت، دونوں کے حق میں اسے واجب قرار دیا جائے گا، احناف کی ایک جماعت نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مباح اور امت کیلئے اس کا اتباع ضروری قرار دیا ہے تاوقتیکہ کوئی دلیل وجوب کے خلاف قائم نہ ہو جائے کہ اس صورت میں اسی دلیل پر عمل کیا جائے گا۔

سنتِ تقریری یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کوئی کام کیا ہو یا اس کے کام کی اطلاع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تک پہنچی ہواور آپ نے اس پر سکوت فرمایا ہو، منع نہ کیا ہوتو یہ اس کام کے مباح ہونے کی دلیل ہے، اگر وجوب یا استحباب کی دلیل مل جائے تو درست ورنہ اسے کم از کم مباح ضرور سمجھا جائے گا۔[1]

سنت کا یہی اصولی مفہوم (قول وفعل وتقریر رسول ﷺ) ہماری بحث کا موضوع ہے، اسے ہم کتاب اللہ کے علاوہ مستقل حجتِ شرعیہ کی حیثیت سے مانتے ہیں، جب کتاب وسنت کی اصطلاح بولی جاتی ہے تو اس سے سنت کا مذکورہ بالا معنٰی ہی مراد ہوتا ہے۔ سنت کا یہ مفہوم بالکل واضح ہے، ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے تیئس سالہ دورِ بعثت میں جو کچھ کیا وہ رسولِ مطاع ہونے کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے، سنت کی یہ اصطلاح اگرچہ علماءِ اصول کی طرف منسوب ہے لیکن حقیقتِ نفس الامری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کتاب وسنت کا یہ تصور خود رسولِ پاک ﷺ نے عطا فرمایا جیسا کہ مؤطا امامِ مالک کی حدیث ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ.[2]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے، یہ کتاب وسنت ہیں''۔

اسی طرح صحیح مسلم میں امانت کا ذکر کرتے ہوئے ایک حدیثِ

---

[1] اصول الفقہ خضری، ص ۲۹۶۔ [2] مؤطا امام مالک

Marfat.com

مرفوع میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ۔[1]

"امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری، پھر قرآن نازل ہوا تو لوگوں نے قرآن سے اس کا علم حاصل کیا اور پھر سنت سے اس کا علم حاصل کیا"۔

اسی طرح صحابہ کرام سے کثرت کے ساتھ مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو سنت سے تعبیر کرتے تھے اور انہیں کسی حیل وحجت کے بغیر دلیلِ شرعی تسلیم کرتے تھے لہٰذا یہ کہنا کہ سنت کی یہ اصطلاح بعد کی پیداوار ہے حقائق سے کھلم کھلا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

عصرِ حاضر کے کچھ محققین سنت کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کے لئے مسلمانوں کے تعامل، سیاسی حکمرانوں کے فیصلوں اور اجتہادی مسئلوں پر بھی بے دریغ سنت کا اطلاق کرتے ہیں اور علماءِ حق کو، جو سنتِ نبوی کے محافظ ہیں، جمود، تنگ نظری اور تقلیدِ آباء کا الزام دیتے ہیں حالانکہ یہ نام نہاد محقق خود تقلیدِ مغرب میں اس قدر سرشار ہیں کہ مستشرقین یورپ بالخصوص اسنوک، پرخرونٹے، طلونز اور مرجی لیوث کے فاسد نظریات کو اپنانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے چنانچہ ان مستشرقین کا خیال ہے کہ سنت

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱: ص ۸۲۔

Marfat.com

رسول کا تصور بعد کی پیداوار ہے نیز یہ کہ مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کی سنت میں اپنی طرف سے اضافہ کیا اسی طرح یہ تجدد پسند محقق بھی فرماتے ہیں کہ عہدِ رسالت کے بعد سنت کا صحیح مفہوم صرف یہی نہیں تھا کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی سنت ہو بلکہ سنتِ نبوی کی جو توضیح کی جاتی تھی وہ بھی سنت سمجھی جاتی تھی۔[1]

قدرۃً ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات سنت کے دائرے کو اس قدر وسیع کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں، آخر انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ سنت کے سیدھے سادے مفہوم کو اپنی ریسرچ کا نشانہ بنا کر چیستاں بنا دیا ہے؟ اس سوال کا جواب چنداں دشوار نہیں بشرطیکہ ان کے لٹریچر کا مختصر جائزہ لے لیا جائے اور ان کے فکر و نظر کی گہرائی سے آگاہی حاصل کر لی جائے، اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات اسلام کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں یہ قرآن و حدیث کی ایسی تعبیر اور ترجمانی کرنا چاہتے ہیں جو لفظی طور پر خوش آئند ہے مگر معنوی طور پر اس میں الحاد کے زہر کو پوری طرح بھر دیا گیا ہے، ان کی سر توڑ کوشش یہی ہے کہ سنت رسول ﷺ کی ایک متعین اور متفق علیہ حیثیت کو ختم کیا جائے تا کہ اس کے بعد قرآن کی من مانی تفسیر اور تشریح میں کوئی دقت نہ رہے، چونکہ انہیں نظر آ چکا

---

[1] ماہنامہ فکر و نظر، شمارہ جولائی ۱۹۶۳ء۔

Marfat.com

ہے کہ صراحۃً انکارِ سنت کا نظریہ امت میں پذیرائی حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے وہ واضح الفاظ میں انکارِ سنت کی جرأت تو نہیں کرتے مگر سنت کی حقیقت کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں وہ ملتِ اسلامیہ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ:

''احادیث کے مختلف عناصرِ ترکیبی کی از سرِ نو جانچ پڑتال اور آج کل کے بدلے ہوئے اخلاقی اور معاشرتی ماحول کے پس منظر میں ان کی تعبیرِ نو ضروری ہے''۔[1]

وہ فقہاء کے نظریہ سنت کو جامدانہ اور بے لچک عقیدہ قرار دے کر سنت کا ایک متحرک اور لچکدار نظریہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اہل علم حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس الحاد کے خطرناک مضمرات پر کڑی نظر رکھیں، سنت کا یہ ارتقائی تصور بالکل غیر اسلامی ذہن کی پیداوار ہے، کتاب وسنت، اجماعِ امت اور امت کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کہیں بھی یہ نظریہ سنت دکھائی نہیں دیتا، ہم زیادہ تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتے، سنت کے لغوی واصطلاحی مفہوم کو تحریر کرنے کے بعد ضروری سمجھتے ہیں کہ کتاب اللہ کی روشنی میں سنت کا مقام بیان کیا جائے، کتاب وسنت کا باہمی ربط وتعلق واضح کیا جائے اور سنت کی اہمیت وعظمت کو حقائق کی روشنی میں پیش کیا جائے۔

---

[1] ماہنامہ فکر ونظر، شمارہ جنوری ۱۹۶۴ء۔

Marfat.com

قرآن میں سنت کی اہمیت

منصبِ رسالت

سنت کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کی روشنی میں صاحبِ سنت ﷺ کے منصب اور مقام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، اگر رسول کی حیثیت صرف ایک مبلغ اور پیغام رساں کی ہو تو ظاہر ہے کہ پیغام رسانی کے علاوہ اس کے فرمودات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی چنانچہ بعض لوگوں کو یہی دھوکا ہوا ہے قرآنِ کریم میں پیغمبر برحق ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے لہٰذا تبلیغ آیات کے بعد رسولِ خدا ﷺ کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب امت جانے اور قرآن، لہٰذا سنت کی اتباع کا کوئی تصور ہی یہاں نہیں پایا جاتا مگر رسالت کا یہ تصور عقل و نقل کی روشنی میں بالکل غلط قرار پاتا ہے اس لئے کہ ہر ذی شعور آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اگر محض کتاب کا بھیجنا مقصود ہوتا تو انبیاء کرام کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی، آسمان سے کتاب نازل ہو جاتی جس میں ترتیب وار تمام ہدایات اور عملی زندگی کے مسائل درج ہوتے مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ رب تعالیٰ نے کمالِ حکمت کے ساتھ ان نفوسِ قدسیہ کو منتخب کیا جن کے سینے اس عظیم امانت کے متحمل ہو سکتے تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

Marfat.com

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (سورۃ الانعام ایۃ نمبر ۱۲۴)

''اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے''۔

ان نفوسِ قدسیہ سے صرف یہی کام نہیں لیا گیا کہ وہ کتاب پہنچا دیں بلکہ یہ بھی کہ نفوسِ امت کا تزکیہ کریں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔ قرآن کریم پر غور کرنے سے رسولِ کریم ﷺ کی مختلف حیثیتوں پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کا ذکر آتا ہے جس میں وہ بارگاہ رب العزت میں یوں عرض گزار ہیں:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. (سورۂ بقرۃ ایت ۱۲۹)

''اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا''۔

دعائے ابراہیمی قبول ہوئی اور اظہارِ انعام واحسان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ. (ال عمران آیۃ ۱۶۴)

Marfat.com

”بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام صرف قرآنِ کریم پڑھ کر سنانا نہیں بلکہ کتاب وحکمت کی تعلیم اور نفوس کا تزکیہ بھی ہے جو آپ کے فرائض منصبیہ میں داخل ہے۔

یہاں پر اس وہم کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ جن آیات میں رسول خداﷺ کا کام صرف تبلیغ اور ابلاغ ذکر کیا گیا ہے وہ صرف اس سلسلے میں ہے کہ اگر کفار آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے، ماننا نہ ماننا ان کا فعل ہے، چنانچہ سورۂ یٰسین میں جہاں کفار کا یہ اعتراض ذکر کیا گیا ہے کہ ”اے پیغمبر! تم ہم جیسے انسان ہو، خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم (معاذ اللہ) کذب بیانی سے کام لیتے ہو۔“ وہاں اس کے جواب میں پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کی زبانی فرمایا گیا ہے:۔

رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ o وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ o (سورۂ یٰسین، آیت ۱۶، ۱۷)

”ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم بے شک ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صرف پہنچا دینا۔“

Marfat.com

یعنی ہم نے تم تک پیغامِ خداوندی پہنچا دیا ہے، اب اسے زبردستی منوانا یا دل و دماغ میں ٹھونس دینا ہمارا کام نہیں، اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ جو لوگ برضاء ورغبت خدا کی کتاب کو مان لیں تو انبیاء کرام انہیں کتابِ الٰہی کے معانی و مطالب نہیں سمجھاتے یا اپنے قول وفعل سے شرعی احکام کی وضاحت نہیں کرتے۔

قرآن کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اس میں بار بار رسولِ خدا علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اتباع کرنے والوں کو جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں جبکہ منکرین کو عذابِ الیم کی وعید سنائی گئی ہے چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ایت ۳۱)

"اے محبوب! تم فرما دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا، تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہاں پر مدعیانِ محبت کے لئے اتباعِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو کسوٹی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اتباع کے معنیٰ کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں چنانچہ علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔

Marfat.com

تَقُوْلُ اِتَّبَعْتُ الرَّجُلَ اِذَا يَسِيْرُ وَاَنْتَ تَسِيْرُ وَرَاءَهٗ فَاِذَا قُلْتَ اِتَّبَعْتُ فَكَاَنَّکَ قَفَوْتَهٗ.[1]

یعنی اتباع کے معنٰی کسی کے پیچھے چلنے اور کسی کی پیروی کرنے کے ہیں، علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

تَبِعَهٗ وَاَتْبَعَهٗ قَفَاءَ اَثَرِهٖ وَذٰلِکَ تَارَةً بِالْاِرْتِسَامِ وَالْاِئْتِمَارِ.[2]

یعنی تَبِعَ اور اَتْبَعَ کے معنٰی نقشِ قدم پر چلنے کے ہیں اور تعمیلِ حکم کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

علامہ ابوالحسن آمدی فرماتے ہیں کہ متابعت کبھی قولی ہوتی ہے اور کبھی فعلی، متابعتِ قولی یہ ہے کہ قول کے مقتضٰی کے مطابق عمل کیا جائے اور متابعتِ فعلی یہ ہے کہ تاسّی (ہو بہو اقتداء) کی جائے۔ [3]

تاسّی کا جامع مفہوم علامہ کمال الدین ابن ہمام نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

اَلتَّاَسِّیْ مِثْلُ فِعْلِهٖ عَلٰی وَجْهِهٖ لِاَجْلِهٖ. [4]

یعنی تاَسی سے مراد یہ ہے کہ کسی کی اقتداء میں اسی جیسا کام کیا جائے اور اس کی اقتداء کی نیت سے کیا جائے۔

اس سے ان لوگوں کے مغالطہ کا ازالہ ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ

---

[1] لسان العرب، فصل التاء من باب العین۔ [2] مفردات راغب، ص ۷۱۔

[3] احکام الاحکام، ج ۱: ص ۸۹۔ [4] التحریر مع شرح تیسیر التحریر، ج ۳: ص ۱۹، ۲۰۔

Marfat.com

اتباعِ رسول سے مراد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دورِ نبوت میں قرآن پر عمل کر کے دکھایا، ہم بھی قرآن پر عمل کر کے دکھائیں، حضور ﷺ نے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ، کو دوسروں تک پہنچایا، ہم بھی پہنچائیں اور بس!

ظاہر ہے یہ ایک پُر فریب مغالطہ ہے اور اتباعِ رسول کے پردے میں سنتِ رسول کا انکار ہے۔ اتباعِ رسول کا یہ مفہوم مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ، کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ کتاب اللہ میں رسولِ پاک ﷺ کو معلّم، مربّی، شارحِ قرآن، شارع اور حاکمِ شرع وغیرہ کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے لہٰذا ان حیثیتوں کے ساتھ رسولِ خدا ﷺ نے جو عہد کیا یعنی کتاب اللہ کے معانی کی تعلیم دی، تربیت کے اصول قائم فرمائے، قرآن کی تشریح کی، آئین سازی فرمائی اور شرعی فیصلے صادر فرمائے، یہ سب چیزیں اس وحیِ متلو سے ماسوا ہیں لہٰذا جب تک ان تمام امور میں آپ کی پیروی نہ کی جائے اور آپ کی سنت کو حجت نہ مانا جائے، اتباعِ رسول کا مفہوم پورا نہ ہوگا، بھلا سنتِ رسول کی مخالفت کرنے والا کس طرح "فَاتَّبِعُوْنِیْ" پر عمل پیرا ہو سکتا ہے؟

فنِ لغت کے فاضل مفسر علامہ جار اللہ زمخشری اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فَمَنِ ادَّعٰی مَحَبَّۃً وَخَالَفَ سُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ فَھُوَ کَذَّابٌ وَکِتَابُ اللّٰہِ یُکَذِّبُہٗ۔[1]

---

[1] تفسیر کشاف، ج ۱:۱۴۳۔

Marfat.com

"جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرے اور سنتِ رسول (علیہ السلام) کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے اور خدا کی کتاب اس کی تکذیب کرتی ہے۔"

اتباعِ رسول کی دوسری دلیل

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

فَلا وَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (سورۃ النساء، ایت ۶۵)

"اے محبوب! تمہارے رب کی قسم، وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے تنگی محسوس نہ کریں اور اسے کھلے دل سے تسلیم کرلیں۔"

ظاہر ہے یہ فیصلے سنتِ رسول علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں داخل ہیں، وحیِ متلو نہیں ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ فِیْمَا بَلَغَنَا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ فِیْ رَجُلٍ خَاصَمَ الزُّبَیْرَ فِیْ اَرْضٍ فَقَضٰی بِھَا النَّبِیُّ لِلزُّبَیْرِ وَھٰذِہِ الْقَضَاءُ سُنَّۃٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَاحُکْمٌ مَّنْصُوْصٌ فِی الْقُرْاٰنِ۔[1]

"ہمیں جو روایت پہنچی ہے اس کی رو سے یہ آیت اس شخص کے

---

[1] الرسالۃ (للشافعی) ص ۸۲۔

Marfat.com

بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے ایک اراضی کے بارے میں حضرت زبیرؓ سے جھگڑا کیا تھا، رسول خداﷺ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ کیا یہ فیصلہ سنتِ رسولﷺ میں داخل ہے نہ کہ قرآن کے حکمِ منصوص میں۔"

مذکورہ بالا آیت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ قیامت تک رسولِ خداﷺ کے فیصلے حجتِ شرعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں عہدِ بعثت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اب جو حضرات رسولِ اکرمﷺ کے فیصلوں کو وقتی فیصلے قرار دے کر ان کی اہمیت گھٹانا چاہتے ہیں وہ قرآن کے بیان کردہ اصول سے انحراف کر رہے ہیں۔

اس آیت سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے رسولِ خداﷺ بتقاضائے بشریت (معاذ اللہ) قضاءِ باطل فرما دیں تو اس کی اتباع کیونکر کی جا سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ خداﷺ کے فیصلوں کو تسلیم کرنا، ایمان کے لئے موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے اور ایمان کا موقوف علیہ ایسی چیز نہیں ہو سکتی جو کبھی حق ہو اور کبھی باطل، لہٰذا تمام فیصلے شرعی اصولوں کے مطابق برحق ہوں گے اور ان کے خلاف دلوں میں تنگی یا تردد محسوس کرنا بھی جائز نہیں، دنیاوی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف تو زبان یا تحریر سے مخالفت توہینِ عدالت میں داخل ہے مگر یہاں تو اتنی

---

۱ بخاری و مسلم میں بھی اراضی سیراب کرنے کے بارے میں حضرت زبیر سے ایک انصاری کی خصومت کا ذکر موجود ہے،

Marfat.com

شدید پابندی ہے کہ دل میں بھی ان کے خلاف تردد یا تنگی محسوس کرنا، ایمان کے منافی قرار دیا جا رہا ہے۔

اتباع و اطاعتِ رسول کی تیسری دلیل

سورۂ نساء میں رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت کی پُر زور تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا. (سورۃ النساء، آیت ۵۹)

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اہلِ امر لوگوں کا، جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، یہ بہت بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔"

اس آیت میں یہ دو باتیں خاص طور پر قابلِ غور ہیں، ایک یہ کہ خدا و رسول کے لئے حکم اطاعت مستقل طور پر ہے، اولی الامر کے لئے ایسا نہیں یعنی خدا کی کتاب اور رسولِ مقبول ﷺ کی سنت تو مستقل طور پر حجتِ شرعیہ ہیں، اولی الامر کی بات صرف اسی صورت میں قابل قبول ہے، جب وہ خدا اور اس

Marfat.com

کے رسول کے حکم کے عین مطابق ہو، دوسرا یہ کہ اختلاف کی صورت میں صرف خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، اولی الامر کی طرف نہیں اس لئے کہ اولی الامر کی ذات تو احکامِ خداوندی کے نافذ کرنے کے لئے ہے اور جب خود اس میں لوگوں کا نزاع ہو جائے تو اس صورت میں ان کا قول حجت نہیں ہوگا بلکہ خدا اور رسول یعنی کتاب وسنت ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا، کتاب وسنت کی روشنی میں کسی امر کے مشروع یا غیر مشروع ہونے کا جو فیصلہ معلوم ہو گا وہ عوام کے لئے واجب الاطاعت ہوگا اور اولی الامر کے لئے بھی۔

مرکزِ ملت کا غلط تصور

اس آیت کے مفہوم پر اچھی طرح غور کر لینے کے بعد اب ان منکرین احدیث کے اس غلط تصور کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کی طرح حکام وسلاطین بھی اپنے اپنے دور میں ''مرکزِ ملّت'' ہوتے ہیں لہٰذا ان حکام اور اربابِ اقتدار کی طرف رجوع درحقیقت خدا اور رسول کی طرف رجوع قرار دیا جائے گا۔ اس تصور کے زہریلے مضمرات اہل دانش سے پوشیدہ نہیں، بہرحال اگر وہ لوگ قرآن سے اپنے قلبی روابط کا دعویٰ کرتے ہیں تو انہیں دیانتداری سے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے ارشاد پر ایک بار پھر غور کرنا چاہئے، کیا یہ آیت ان کے

---

[1] معارف، از پرویز صاحب، ج۴:۶۸۶۔

Marfat.com

اس نام نہاد ''تصورِ مرکزِ ملت'' کی بیخ کنی نہیں کرتی؟

رسول خدا ﷺ کے آئینی کام پر شبہ کا ازالہ

یہ آیت ان مدعیان تحقیق کے غلط نظریے پر بھی ضرب کاری لگاتی ہے جو اپنے مغربی محسنین سے متاثر ہو کر یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ صرف مصلح تھے، آپ نے آئین سازی کی طرف کم توجہ فرمائی، قرآن مجید میں رسولِ خدا ﷺ کو مصلح اعظم ہونے کے علاوہ مطاع، شارع اور حَکَمِ مطلق قرار دیا گیا ہے اور تمام اختلافی مسائل میں چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے قانون سازی سے ہو یا کسی اور معاملے سے، غرضیکہ تمام صورتوں میں فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کا حکم سنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کتاب وسنت میں ان مسائل کا حل ہی نہ ہو اور آئین سازی جیسے بنیادی کام کی طرف کم توجہ دی گئی ہو تو پھر رجوع کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟ اور سورۂ مائدہ میں تکمیل دین کی بشارت دینے سے کیا مقصود ہوگا؟

منصبِ رسالت کے بارے میں یہ غلط تصور، فلسفہ مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اہل دانش بخوبی جانتے ہیں کہ کتاب وسنت میں تمام مسائل کا حل موجود ہے اور آئین سازی کے لئے یہ دونوں سرچشمے آج بھی اسی طرح نافع ہو سکتے ہیں، جیسا کہ آج سے چودہ صدیاں پہلے تھے۔

Marfat.com

اطاعتِ رسول کی چوتھی دلیل

قرآنِ مجید نے بعثتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد بھی یہی قرار دیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

(سورۃ النساء ایت ۶۴)

''ہم نے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔''

دوسرے مقام پر رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت کو بعینہٖ اطاعتِ الٰہی قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

پانچویں دلیل

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النساء ایت ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت کے مفہوم کو واضح کیا جائے، علامہ ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں لکھا ہے۔

طَاعَ لَهٗ يَطُوْعُ اِذَا انْقَادَ لَهٗ بِغَيْرِ اَلِفٍ وَاِذَا مَضٰى لِاَمْرِهٖ

Marfat.com

فَقَدْ اَطَاعَهٗ وَاِذَا وَافَقَهٗ فَقَدْ طَاوَعَهٗ.[1]

یعنی اس کے مادہ مجرد کا مفہوم انقیاد ہے، اطاعت کا لفظ کسی کے امر کو پورا کہنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور موافقت کے لئے لفظِ مطاوعت بولا جاتا ہے۔ علامہ زبیدی فرماتے ہیں:

طَاعَ لَهٗ یَطُوْعُ اِنْقَادَ وَمِنْهُ وَقَدْ قَادَتْ فُؤَادِیْ فِیْ هَوَاهَا وَطَاعَ لَهُ الْفُوَادُ وَمَا اَعْصَاهَا.[2]

یعنی لفظِ طَاعَ یَطُوْعُ انقیاد کے لئے بولا جاتا ہے جب کہ شاعر نے عصیان کے مقابلے میں اسے استعمال کیا ہے۔

علامہ ابوالحسن آمدی فرماتے ہیں کہ اطاعت میں مطاع کے احترام کا تصور بھی پایا جاتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

مَنْ اَتٰی بِمِثْلِ فِعْلِ الْغَیْرِ عَلٰی قَصْدِ اِعْظَامِهٖ لَهٗ فَهُوَ مُطِیْعٌ لَهٗ.[3]

"جو دوسرے کی طرح کام کرے اور تعظیم واحترام کی نیت سے ایسا کرے وہ مطیع کہلاتا ہے۔"

چھٹی اور ساتویں دلیل

اطاعتِ رسول علیہ السلام سے انحراف کرنے والوں کو قرآنِ مجید نے

---

[1] لسان العرب، فصل الطاء من باب العین۔ [2] تاج العروس، ج ۵:۴۳۵۔ [3] احکام الاحکام، ۱:۹۱۔

Marfat.com

شدید عذاب سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آیت ۶۳)

''ان لوگوں کو جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں، ڈرنا چاہیے کہ انہیں کوئی فتنہ یا دردناک عذاب نہ پہنچے''

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کا عبرتناک انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (النساء آیت ۴۲)

''آج کے دن کفار اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین میں پیوست کر دیا جاتا اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے''۔

آٹھویں دلیل

بعض ذہنوں میں چونکہ یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ خدا اور رسول کے فیصلے اپنی جگہ اہم سہی مگر انسان اپنی طبعی آزادئ فکر کی بنا پر ان کے خلاف کرنے کا اختیار بھی رکھتا ہے، قرآنِ کریم نے اس غلط انداز کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا

Marfat.com

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. (الاحزاب ایت ۳۶)

''کسی مومن مرد یا عورت کے لئے جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے فیصلے کے بعد ان کو اپنے کسی امر کے بارے میں اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا''۔

اس آیت نے بالکل واضح کر دیا کہ خدا کا رسول ﷺ جب کوئی فیصلہ کر دے تو پھر کسی کو اس سے سرتابی کا اختیار نہیں رہتا، دنیا میں کسی حاکم یا فرضی ''مرکزِ ملت'' کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کہ اس کے فیصلے سے سرِ مو انحراف کرنا گمراہی کا موجب بن جائے، یہ شان صرف اسی رسولِ مقبول ﷺ کی ہے جس کا قول و فعل امت کے لئے حجت ہے۔

نویں دلیل

قرآن مجید میں رسولِ خدا ﷺ کی پیروی کو معیارِ ہدایت قرار دیا ہے چنانچہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. (الاعراف ایت ۱۵۸)

''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولِ اُمی ﷺ پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تا کہ تم راہ پاؤ''

Marfat.com

دسویں دلیل

قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیات پیغمبر برحق ﷺ کی سنت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں، اب ہم آخر میں ایک ایسی آیت پر اس بحث کو ختم کرنا چاہتے ہیں جس میں عملی طور پر اوامر ونواہی میں رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الحشر ایت ۷)

"تمہیں رسول اللہ ﷺ جو کچھ عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں، رک جاؤ"۔

یہاں پر پورے عموم کے ساتھ جمیع اوامر ونواہی میں رسولِ خدا کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور عبادات ومعاملات میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اس مقام پر کچھ منکرین حدیث نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ آیت صرف مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق ہے کیونکہ اٰتٰی کا لفظ محسوس چیزوں کے دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور احادیث تو اقوال کا مجموعہ ہیں، ان کے لئے اس لفظ کا استعمال درست نہیں لیکن یہ ایک خوشنما مغالطہ کے سوا کچھ نہیں، قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر اس علم وحکمت وغیرہ کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً اٰتَيْنَاهُ الْعِلْمَ، اٰتَيْنَاهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، اٰتَيْنَا الْحُكْمَ

Marfat.com

وَفَصْلَ الْخِطَابِ وغیرہ۔

جب علم، کتاب، حکمت اور قولِ فیصل کے دینے کیلئے یہ لفظ استعمال ہوسکتا ہے تو سنت وحدیث کے لئے اس کے استعمال میں کونسی قباحت ہے ؟ پھر اسے مالِ غنیمت کے ساتھ مخصوص کرنا ایک تو کلمہ ''مَـــا'' کے عموم کے منافی ہے دوسرا جامعیتِ قرآن سے لاعلمی کی دلیل ہے، صحابہ کرام جو قرآن کے اولین مخاطب تھے اور اہل زبان بھی، انہوں نے اس آیت کو عمومی معنٰی پر رکھا اور اس سے جامع مفہوم مراد لیا چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کی روایت ہے:

''ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں قبیلہ بنی اسد کی عورت حاضر ہو کر عرض کرنے لگی، میں نے سنا ہے کہ آپ ان عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں جو جسم گوندتی یا مصنوعی بال لگاتی ہیں، آپ نے فرمایا جس پر خدا نے لعنت کی ہو اور وہ لعنت قرآن میں مذکور ہو، میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں؟ اس عورت نے عرض کیا قرآنِ مجید تو میں بھی پڑھتی ہوں مگر میں نے تو قرآن میں کہیں نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا اگر تو قرآن سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً یہ مسئلہ پا لیتی کیا قرآن میں نہیں ہے کہ ''جو کچھ اللہ کے رسول عطا کریں وہ لے لو جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ'' جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْـوَاشِـمَـاتِ تو یوں سمجھو کہ خود قرآن نے ہی جسم گوندنے والی عورتوں (نیل بھرنے والی عورتوں) پر لعنت فرمادی ہے''۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱: ص ۲۰۵۔

Marfat.com

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حالتِ احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو منع کیا، اسنے کہا کہ قرآن میں تو اس کو منع نہیں کیا گیا! چنانچہ آپنے مذکورہ بالا آیت سنادی [۲] اور یوں اسے متنبہ کر دیا کہ رسولِ خدا ﷺ کا کسی چیز سے منع فرمانا خدا کا منع فرمانا ہی ہے۔

اسی قسم کے کئی واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام جو قرآن فہمی میں سب کے امام ہیں، رسولِ خدا ﷺ کے احکام کی اطاعت کو احکامِ خداوندی کی اطاعت سمجھتے تھے۔

عبادات ومعاملات کی تفریق

منکرین سنت میں سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبادات میں تو سنتِ رسول کی پیروی کی جائے لیکن معاملات میں حالاتِ زمانہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اس بارے میں سنتِ رسول علیہ السلام کو حجت نہ ٹھہرایا جائے۔

اہل تحقیق خوب جانتے ہیں کہ ان کی یہ خود ساختہ تفریق قرآن کی تحریف کے مترادف ہے اس لئے کہ قرآن نے تو عبادات ومعاملات کی تفریق کئے بغیر مطلقاً رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، پھر یہ تفریق کیونکر صحیح ہوسکتی ہے؟ اگر ایک مسلمان نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ بجالاتا ہے تو

[۲] الموافقات، (شاطبی) ج۴: ص۲۵۔

Marfat.com

صرف اس لئے کہ خدا کا حکم ہے اور اگر لین دین میں حرام خوری، سود خوری سے بچتا ہے اور حلال ذرائع سے کسبِ معاش کرتا ہے تو یہ بھی خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کی بنا پر!

اہل سنت کے مایہ ناز فاضل حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بھیروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفریق کا منشا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لیکن جب ہم نے اسلام کا دامن چھوڑا اور اس جرم کی پاداش میں ہم پر انگریز کی غلامی مسلط کر دی گئی تو انگریز نے سب سے پہلے عبادات و معاملات کے تشریعی اور قانونی تفاوت کا نظریہ پیش کیا۔ نماز، روزہ کو عبادت کہا اور اس میں مسلمانوں کو آزادی دے دی اور اپنے عدل وانصاف اور رواداری و فراخدلی کے قصیدے ساری دنیا کو سنائے اور زندگی کی باقی ضروریات کو معاملات کہہ کر دین سے جدا کر دیا اور وہاں مسلمانوں کو اپنے قانون کا پابند بنا دیا''۔

یہ صورتِ حال دو سو سال تک رہی، اس سے آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں، جو اسلام کے نظامِ کامل سے نا آشنا ہیں، یہ خیال پختہ ہو گیا کہ اسلام کی عبادات اور اسلام کے اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی نظام میں بہت فرق ہے، عبادات سے انکار یا ان میں تغیر و تبدل کرتے وقت وہ مشتعل ہو جا۔ نہ ہیں لیکن اسلام کے دوسرے احکام کو پس پشت ڈالنے اور اس کی جگہ دوسرے قوانین پر عمل کرنے میں وہ کچھ حرج محسوس نہیں کرتے۔

Marfat.com

یہ حضرات قوم کی اس ذہنی کیفیت سے واقف ہیں جو غلامی کی اس طویل مدت کے دوران پیدا ہوگئی ہے اس لئے وہ پہلے معاملات کے اسلامی قوانین کو نسخ اور مسخ کرنے کے لئے کوشاں ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ اس مرحلہ میں کامیاب ہو گئے تو عبادات میں اپنے تصرفاتِ شاہانہ سے ردّوبدل کرنا ان کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا"۔ [1]

حدیث وسنت کی تفریق

یہ لوگ سنت وحدیث کے درمیان ایک مصنوعی خلیج حائل کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں کہ حالاتِ زمانہ کے مطابق سنتِ نبویہ میں تغیر وتبدل کرنا عین اقتضائے سنت اور منشائے نبوت ہے البتہ سنتِ نبویہ کے پیش کردہ نقشہ زندگی کو دائمی اور لازوال سمجھنا اتباعِ حدیث ہے، ان کے نزدیک حدیث کی نشر واشاعت سنت کے لئے سخت مضر ہے حالانکہ پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ حدیث کی نشر واشاعت سے ہی سنتِ نبویہ کی حفاظت ہوئی ہے حضور ﷺ کی سنت اور آپ کی احادیثِ طیبہ ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں لہٰذا انہیں ایک دوسرے کا مقابل قرار دینا تعصب اور کج فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟

سنت اور تشریح قرآن

اتباعِ سنت کی اہمیت واضح کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے

---

[1] سنت خیر الانام، ص ۶۳۔

Marfat.com

کہ قرآن سے اس کے تعلق کو بھی واضح کیا جائے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جس طرح قرآنِ مجید کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اسی طرح اس کے معانی و مطالب کی وضاحت کو بھی اپنے ذمے لیا، ارشاد ربانی ہے:

لَاتُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ. (القیامۃ ایت ۱۶ تا ۱۹)

''تم یاد کرنے کی جلدی میں زبان کو حرکت نہ دو، بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو، پھر بے شک اس کی باریکیوں کو ظاہر کرنا ہمارے ذمہ ہے''۔

اس آیت نے واضح کر دیا کہ جمع الفاظ کے علاوہ قرآن کے مطالب و مقاصد کا بیان بھی رب تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے کیونکہ انسانی عقل چاہے کتنی بھی کامل ہو، کلامِ الٰہی کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کو جس طرح اپنی ذات کی معرفت کے لئے وسیلہ بنایا ہے، اسی طرح کلامِ رسول ﷺ کو اپنے کلام سمجھنے کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کلامِ رسول ﷺ کے فہم کے بغیر کلامِ الٰہی تک رسائی ناممکن ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک ﷺ کی اسی شانِ تبیین و تشریح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ. (النحل ایت۴۴)

"اے محبوب! ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں سے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور تا کہ وہ غور و فکر سے کام لیں"۔

اسی سورت میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. (النحل ایت۶۴)

"اور ہم نے یہ کتاب نہیں اتاری مگر اس لئے کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر دیں وہ بات جس میں وہ اختلاف کریں اور یہ ہدایت و رحمت ہے ایمان والوں کے لئے"۔

سورۃ النحل کی پہلی محولہ بالا آیت میں وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ کے جملہ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیانِ رسول ﷺ کے بعد ہی غور و فکر کی اجازت ہے کیونکہ جہاں تک قرآنِ مجید کی یقینی مراد کا کام ہے وہ اللہ کا رسول علیہ السلام ہی انجام دے سکتا ہے البتہ اس کے بیان کردہ معانی میں غور و فکر اور تدبر کر کے ہر صاحبِ عقل سلیم فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

دوسری آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اگر آیات کے معانی سمجھنے میں اختلاف رونما ہو جائے یا دیگر معاملات میں اختلافِ رائے رونما ہو اور ہر شخص اپنی رائے کو حق کے مطابق ظاہر کرے تو اس صورت میں اختلاف ختم

Marfat.com

کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے بیان (احادیث) کی طرف رجوع کیا جائے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیان قرآن، نظمِ قرآن سے علاوہ چیز ہے لہٰذا بیان قرآن یا تبیین قرآن کا مفہوم صرف قرآن پڑھ کر سنا دینا نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم ایک جامع اور مفصل کتاب ہے چنانچہ قرآن اپنے آپ کو کتابِ مفصل اور تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ قرار دیتا ہے لہٰذا قرآن کے لئے سنت وحدیث کو بیان ٹھہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کہ قرآن کا کتابِ مفصل ہونا مخاطب بلا واسطہ یعنی حضور رسولِ اکرم ﷺ کے لئے ہے لیکن جہاں تک امت کا تعلق ہے وہ رسولِ کریم ﷺ کے قول وفعل کی روشنی میں اس کتاب کی تفصیل وتشریح کو سمجھ سکتی ہے، کوئی آدمی چاہے کتنا ہی عقلمند ہو، رسولِ خدا ﷺ کے بیان کی روشنی کے بغیر کتاب اللہ کے مطالب نہیں سمجھ سکتا چنانچہ علامہ زمخشری باوجود معتزلی ہونے کے، اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قُلْتُ اَلْمَعْنٰی اَنَّهٗ بَیَّنَ کُلَّ شَیْئٍ مِنْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ حَیْثُ کَانَ نَصًّا عَلٰی بَعْضِهَا وَاِحَالَةً عَلَی السُّنَّةِ حَیْثُ اُمِرَ فِیْهِ بِاتِّبَاعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقِیْلَ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔[1]

---

[1] تفسیر کشاف، ج ۲:۶۲۸۔

Marfat.com

''میں کہتا ہوں قرآن تمام امورِ دین کا بیان بایں معنٰی ہے کہ اس نے بعض احکام کو اپنی نص کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور باقی کو سنت کے حوالے کر دیا ہے جیسا کہ قرآن میں اتباعِ رسول علیہ السلام کا حکم دیا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ آپ کا کلام وحیِ الٰہی ہوتا ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے''۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر دمشقی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قَالَ الْاَوْزَاعِیْ تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْئٍ بِالسُّنَّةِ.[1]

''امامِ اوزاعی فرماتے ہیں قرآن کا ہر چیز کے لئے تبیان ہونا سنت وحدیث کے ساتھ ہے''۔

جامعیتِ قرآن کا صحیح مفہوم

جہاں تک قرآن مجید کی جامعیت کا تعلق ہے، کسی کو اس سے انکار نہیں لیکن قرآن کی جامعیت کا یہ مفہوم تو نہیں کہ اس کی کسی آیت میں اجمال نہیں، کسی عموم میں احتمالِ تخصیص نہیں، قرآن نے تمام مسائل کا تفصیلی ذکر کر دیا ہے اور تمام جزئیات اس میں موجود ہیں اور فرائض وواجبات، سنن ومستحبات کا تفصیلی تذکرہ اس میں موجود ہے، کتاب اللہ کے جامع ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کے قول وفعل اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں وہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲ :ص ۵۸۲۔

Marfat.com

امت کے لئے مکمل سرچشمہ ہدایت ہے جس کے بعد امت کو کسی اور طرف آس لگانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حقیقت میں رب تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے ذریعے قرآن کے حقائق کو واضح فرما دیا اور تمام شبہات کا ازالہ کر دیا جو عقل انسانی کے لئے ٹھوکر کھانے کا سبب بن سکتے تھے۔

ہم وضاحت کے لئے بیانِ رسول ﷺ کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ صحابہ کرام، جو اہل زبان اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ متصف تھے انہیں بھی قرآن فہمی میں اشکالات پیش آجاتے تھے اور وہ اسی معلم ومربی ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے جو ان پر حق کو واضح کر دیتے تھے۔

فہمِ قرآن میں صحابہ کی الجھنوں کا حضور ﷺ کی طرف سے حل

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کوئی ظلم شامل نہیں کیا، یہی لوگ ہیں جن کو امن ملے گا اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

یہ حکم سن کر صحابہ کرام گھبرا گئے اور عرض کرنے لگے ہم میں سے ایسا

Marfat.com

کون ہے جس نے اپنے نفس پر کوئی نہ کوئی ظلم نہ کیا ہو، پس آیت کے بموجب تو ہم میں کوئی بھی مستحقِ امن نہیں رہے گا، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا یہاں پر ظلم سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ شرک مراد ہے اجب کہ سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ''شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

(۲) تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب یہ نازل ہوئی:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَایُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

''جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے''۔

صحابہ کرام کو یہ سن کر سخت فکر لاحق ہوئی کیونکہ ان میں سے بعض اہل ثروت بھی تھے انہوں نے آپ کی خدمت میں اپنی الجھنیں پیش کیں تو آپ نے فرمایا یہ وعید اُن لوگوں کے لئے ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، شرعاً کنز بھی وہی مال ہے جس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، پھر آپ نے ان کی مزید تسلی کے لئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَفْرِضِ الزَّکٰوۃَ اِلَّا لِیُطَیِّبَ بِھَا مَابَقِیَ مِنْ اَمْوَالِکُمْ. [۲] ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے تاکہ بقیہ مال بھی پاک ہو جائے''۔

---

[۱] صحیح بخاری (مصری) ۷۰۴۶۔ [۲] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۳۵۱۔

Marfat.com

(۳) ایک مرتبہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جس کا حساب لیا گیا سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہوا، اس پر ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ قرآنِ مجید تو فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا. (الانشقاق ایت ۷، ۸)

"جس کو داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا اس کا حساب آسان ہوگا"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حساب کے باوجود ہلاک نہ ہوں گے، آپ نے فرمایا حسابِ یسیر کے معنٰی عرضِ اعمال کے ہیں یعنی اعمال نامہ انکے سامنے رکھ کر اُن کو صرف جتلا دیا جائے گا مگر اس پر باز پرس نہ ہوگی، اگر کسی سے مناقشہ کیا گیا تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہوا، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شبہ رفع ہوگیا۔ [1]

(۴) بعض صحابہ کرام کو آیۃ کریمہ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (جس نے برا عمل کیا وہ سزا پائے گا) سن کر یہ شبہ لاحق ہوا کہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی قصور تو ہوتا ہی ہے لہٰذا اس آیت کی رو سے ہر شخص کا عذاب میں گرفتار ہونا ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ "یُجْزَ بِهٖ" سے صرف جہنم کا عذاب مراد نہیں بلکہ ہر وہ تکلیف جو مسلمان کو پہنچتی ہے یہاں تک کہ چلتے میں ٹھوکر لگ جانا یا پاؤں میں کانٹا چبھ جانا، یہ بھی مسلمان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱: ۳۷۔ [2] جامع ترمذی، ج ۲: ۱۳۴۔

Marfat.com

اسی طرح رسولِ خداﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے قرآنِ مجید کے مجملات کی تفصیل وتفسیر بیان کی، چنانچہ آپ نے اُن پر واضح فرمادیا کہ خیط ابیض سے مراد دن کی سفیدی اور خیطِ اسود سے مرادرات کی سیاہی ہے ''یَأْتِیْ بَعْضُ اٰیَاتِ رَبِّکَ'' سے مراد مغرب سے سورج کا نکلنا ہے[1] اورارشادخداوندی ہے لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ میں ''زِیَادَۃٌ'' سے مراددیدارِالٰہی ہے[2]

غرضیکہ کتبِ حدیث میں اس قسم کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ رسولِ خداﷺ نے اپنی احادیث سے قرآنِ پاک کی تشریح فرمائی اور صحابہ کرام نے اہل زبان ہونے کے باوجود آپ سے فہم قرآن کی خاطر سبق لیا لہٰذا کوئی شخص اب محض زبان دانی کی بنا پر یا لغاتُ القرآن میں مہارتِ تامہ رکھنے کی بنا پر قرآن فہمی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

غور کا مقام ہے کہ حضرتِ عمرؓ جیسی بزرگ اور ذہین وفطین ہستی صرف سورۂ بقرۃ کا علم حاصل کرنے پر بارہ سال صرف کردیتی ہے[3] جو لوگ حضرت عمرؓ کے ارشاد ''حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ''[4] (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کو اپنے لئے بطورِ سند پیش کرتے ہیں، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ اس تربیت یافتہ ءبارگاہِ نبوت کا ارشاد ہے جس نے بارہ سال تک

---

[1] صحیح مسلم، ج۱:ص۸۸۔ [2] جامع ترمذی، ج۲:ص۱۴۲۔ ایضاً صحیح مسلم، ج۱:ص۱۰۰۔
[3] تفسیر فتح العزیز، ج۱ :ص۶۶۔ [4] صحیح مسلم، ج۲: ص۴۳۔

Marfat.com

صرف سورۂ بقرۃ کی تعلیم پانے کے لئے صرف کر دیئے تھے لہٰذا ان کا ''حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ'' کہنا بایں معنٰی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کے قول وفعل کی روشنی میں قرآن کا جو علم حاصل ہوا ہے وہ ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے جس کے بعد کسی نوشتہ کی ضرورت نہیں رہتی، ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث سے قطع نظر کر کے صرف اپنی زبان دانی کی بنا پر قرآن دانی کا دعویٰ کرے اور سنت وحدیث سے انحراف کے لئے اس عاشقِ رسول علیہ السلام کے ارشادات کو بطور ڈھال استعمال کرے جس کی پوری زندگی حفاظتِ سنت میں گزری تھی۔

قرآن وسنت کا باہمی ربط

قرآن وسنت میں جو گہرا ربط ہے اسے سمجھ لینے کے بعد انکارِ سنت کی گنجائش باقی نہیں رہتی، امامِ شاطبی نے اس تعلق کو بڑے عمدہ الفاظ میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

اَلسُّنَّۃُ رَاجِعَۃٌ فِیْ مَعْنَاھَا اِلَی الْکِتَابِ فَھِیَ تَفْصِیْلُ مُجْمَلِہٖ وَبَیَانُ مُشْکِلِہٖ وَبَسْطُ مُخْتَصَرِہٖ۔[1]

''سنت حقیقت میں قرآن کی طرف راجع ہے، یہ قرآنِ مجید کے مجملات کی تفصیل، مشکلات کا بیان اور اس کے مختصرات کی تشریح کرتی ہے''۔

---

[1] الموافقات، ج ۴ . ص ۱۲۔

Marfat.com

مجملات کی تفصیل سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اسی طرح دیگر عبادات ومعاملات کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی، قرآنِ کریم نے ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' فرمایا ہے اور سنت نے اس کی ایک ایک جز کی تفصیل کی ہے، یہی حال باقی ارکانِ اسلام کا ہے۔ مشکلات کی تفسیر کی چند مثالیں گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ مختصرات کی تشریح یوں سمجھئے کہ قرآنِ مجید نے مختصراً فرمادیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرۃ ایت ۱۴۳)

''اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وَسَط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور خدا کا رسول تمہارے لئے گواہی دے''۔

حدیث نے اس کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ جب قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں آئیں گی تو انبیاء کرام سے تبلیغ دین کے بارے پوچھا جائے گا ان کی امتیں کذب بیانی سے کام لے کر کہہ دیں گی کہ ہمارے پاس خدا کے عذاب سے ڈرانے کے لئے کوئی نہیں آیا تھا۔ رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کوئی گواہ بھی ہے وہ حضور ﷺ کی امت کا نام لیں گے اس وقت اُمتِ محمدیہ رسولوں کے حق میں گواہی دے گی اور رسولِ اکرم ﷺ خود اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے [1] اور اسی طرح حضور ﷺ

---

[1] جامع ترمذی، ج ۲: ص ۱۲۵۔

Marfat.com

خاتم الشہداء ہوں گے یعنی آپ کی شہادت پر آخری اور قطعی فیصلہ ہوگا۔

امامِ اوزاعی کے کلام سے پیدا شدہ اشکال کا جواب

بعض حضرات نے یہاں یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ روایت پرست طبقہ، سنت کو قرآن سے بڑھا دیتا ہے۔ شام کے مشہور محدث امام اوزاعی سے منقول ہے کہ ''اَلْکِتَابُ اَحْوَجُ اِلَی السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ اِلَی الْکِتَابِ'' [1] اور اسی طرح یہ بھی منقول ہے کہ ''اَلسُّنَّةُ قَاضِیَةٌ عَلَی الْکِتَابِ'' اس سے منکرین حدیث کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ان حضرات کے نزدیک سنت کی اہمیت قرآن سے بڑھ گئی ہے یہ سنت کو کتاب پر حاکم قرار دیتے ہیں اور کتاب کو سنت کی طرف محتاج مانتے ہیں نہ کہ سنت کو کتاب کی طرف، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سنت و حدیث کو حجت ماننے والے ہمیشہ کتاب اللہ کو اولیت دیتے ہیں اور سنت کو ثانوی درجہ دیتے ہیں، علامہ شاطبی کا یہ قول تمام روایت پسند طبقہ میں مقبول ہے:

رُتْبَةُ السُّنَّةِ اَلتَّاَخُّرُ عَنِ الْکِتَابِ فِی الْاِعْتِبَارِ. [2]

''سنت کا مرتبہ کتاب اللہ سے مؤخر ہے''۔

امامِ اوزاعی کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہم کتاب کو سمجھنے کے لئے سنت کے زیادہ محتاج ہیں، اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ سنت، کتاب اللہ کی تفسیر اور شرح کی حیثیت رکھتی ہے اور قرآنِ کریم اصل متن کی، متن کو سمجھنے

---

[1] جامع بیان العلم (ابن عبدالبر مالکی)، ج ۲: ص ۱۹۱۔ [2] الموافقات، ج ۴: ص ۴۔

Marfat.com

کے لئے شرح کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، سنت کے کتاب اللہ پر قاضی ہونے سے یہ مراد ہے کہ آیت کے اندر جو عقلی طور پر مختلف احتمالات ہوتے ہیں ''سنت'' ان میں سے معنٰی مرادی کو واضح کر دیتی ہے اور وہی مفہوم قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے مقابلے میں دوسرے عقلی احتمالات کو ترک کرنا پڑتا ہے چنانچہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

فَمَعْنٰی کَوْنِ السُّنَّةِ قَاضِیَةً عَلَی الْکِتَابِ اَنَّهَا مُبَیِّنَةٌ لَّهٗ فَلَا یُوْقِفُ عَلٰی اِجْمَالِهٖ وَاِحْتِمَالِهٖ وَقَدْ بَیَّنَتِ الْمَقْصُوْدَ مِنْهُ لَا اَنَّهَا مُقَدَّمَةٌ عَلَیْهِ۔[1]

''سنت کے قاضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ معنٰی مرادی کی وضاحت کر دیتی ہے اور اجمال و احتمال پر ٹھہرنے کی بجائے معنی مقصودی تک لے جاتی ہے، اس کے یہ معنٰی نہیں کہ وہ کتاب اللہ سے مقدم ہے''۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ قرآنِ کریم نے چور کی سزا قطع ید مقرر فرمائی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ کتنا مال چرانے پر یہ سزا دی جائے، احادیث مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ اس مال کی مقدار کم از کم دس درہم ہے۔ [2] اسی طرح قرآنِ کریم میں ربا کی حرمت پر نص قائم کی گئی ہے، حدیث نے تفصیل سے ان چیزوں کے نام بتائے جن میں تفاضل اور نسیئہ منع ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ اختلافِ جنس کی صورت میں تفاضل جائز ہے اور نسیئہ منع، [3] غرضیکہ

---

[1] الموافقات، ج۴: ص۸، ۱۰۔ [2] طحاوی شریف، حدیث ام ایمن، ۲: ۱۰۵۔ [3] صحیح مسلم، ج۲: ص۲۵۔

Marfat.com

امامِ اوزاعی نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو عظمتِ قرآن کے منافی ہو لہٰذا یہ اعتراض سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔

سنت بحیثیت مأخذ تشریع

سنت صرف شارحِ قرآن ہی نہیں بلکہ تشریع کا مستقل مأخذ و سرچشمہ بھی ہے۔ سنت جس طرح قرآنی مجملات کی تفصیل اور مختصرات کی تشریح کرتی ہے۔ اسی طرح بعض وہ احکام بھی بیان کرتی ہے جن سے کتاب اللہ ساکت ہے۔ علامہ ابن قیم سنت کی مختلف حیثیتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ مَعَ الْقُرْاٰنِ عَلٰی ثَلاثَةِ اَوْجُهٍ اَحَدُهَا اَنْ تَكُوْنَ مُوَافِقَةً لَهٗ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَيَكُوْنُ تَوَارُدُالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ عَلٰى الْحُكْمِ الْوَاحِدِ وَمِنْ بَابِ تَوَارُدِ الْاَدِلَّةِ وَتَظَافُرِهَا اَلثَّانِیْ اَنْ تَكُوْنَ بَيَانًا لِّمَا اُرِيْدَ بِالْقُرْاٰنِ وَتَفْسِيْرًا لَهٗ اَلثَّالِثُ اَنْ تَكُوْنَ مُوْجِبَةً لِحُكْمٍ سَكَتَ الْقُرْاٰنُ عَنْ اِيْجَابِهٖ اَوْمُحَرِّمَةً لِّمَا سَكَتَ عَنْ تَحْرِيْمِهٖ وَهِیَ تَخْرُجُ عَنْ هٰذِهِ الْاَقْسَامِ فَلَا تُعَارِضُ الْقُرْاٰنَ بِوَجْهٍ مَّا فَمَا كَانَ زَائِدًا مِنْهَا فَهُوَ تَشْرِيْعٌ مُبْتَدَأٌ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ تَجِبُ طَاعَتُهٗ فِيْهِ وَلَا تَحِلُّ مَعْصِيَتُهٗ وَلَيْسَ هٰذَا تَقْدِيْمًا لَهَا عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ بَلْ اِمْتِثَالٌ لِّمَا اَمَرَ

Marfat.com

اللّٰهُ بِهٖ مِنْ طَاعَةِ رَسُوْلِهٖ۔[1]

''سنت کا قرآن سے سہ گونہ تعلق ہے ایک تو یہ کہ سنت مکمل طور پر قرآن کے موافق ہو پس قرآن وسنت کا توارد ایک ہی حکم کے بارے میں ایسا ہو جس میں کئی دلائل ایک ہی مسئلے کے بارے میں وارد ہوں، دوسرا یہ کہ سنت قرآن کے لئے بیان اور تفسیر بن رہی ہو، تیسرا یہ کہ وہ ایسے حکم کو واجب کر رہی ہو جس سے قرآن خاموش ہو یا کسی ایسی چیز کو حرام کر رہی ہو جس کے حرام کرنے سے قرآن ساکت ہو۔ سنت ان اقسامِ ثلاثہ کے دائرے سے باہر نہیں ہوا کرتی اور وہ کسی صورت میں قرآن کے معارض نہیں ہوا کرتی، جو احکام سنت میں زائد ملتے ہیں وہ رسولِ خدا ﷺ کا تشریعی کارنامہ ہے، اس میں آپ کی اطاعت ضروری ہے اور آپ کی نافرمانی کرنا قطعاً حلال نہیں، اس سے کتاب اللہ پر سنت کی فوقیت لازم نہیں آتی بلکہ خدا نے اطاعتِ رسول ﷺ کا جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل ثابت ہوتی ہے''۔

حافظ ابن قیم کے مذکورہ بالا بیان سے حسبِ ذیل امور منقح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

(۱) سنت، بعض اوقات قرآنی حکم کی محض تقریر و تائید کرتی ہے اس وقت یہ قرآن کے لئے بیان تقریری کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) سنت بعض اوقات قرآنی مجملات کی تشریح و تفسیر کرتی ہے

---

[1] اعلام الموقعین، ج ۲ : ۲۸۸۔

Marfat.com

اس صورت میں ہم اسے بیان تفسیر کہہ سکتے ہیں۔

(۳) سنت کی تیسری حیثیت یہ ہے کہ وہ بعض اوقات ان چیزوں کو حرام قرار دیتی ہے جن کی تحریم سے قرآن ساکت ہے اور ان چیزوں کو حلال قرار دیتی ہے جن کی حلت کا بیان قرآن میں نہیں، اس صورت میں سنت کو بیانِ زیادت کہہ سکتے ہیں۔

(۴) سنت کسی صورت میں بھی قرآن سے حقیقۃً معارض نہیں ہوتی بعض اوقات صورۃً تعارض پایا جاتا ہے جو فکرِ عمیق کے بعد دور ہو جاتا ہے۔

(۵) سنت کو زائد علی القرآن ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کتاب اللہ سے مقدم ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اس لئے سنت کو حجت ماننا درحقیقت حکمِ خداوندی کی تعمیل کرنا ہے۔

قرآن وحدیث میں سنت کی تشریعی حیثیت کا ذکر

قرآن حکیم نے جس طرح سنتِ رسول ﷺ کے شارح اور بیانِ قرآن ہونے کی وضاحت کی ہے اسی طرح سنت کی مستقل تشریعی حیثیت کو بھی واضح کیا ہے چنانچہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ

''اللہ کا رسول ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک

Marfat.com

چیزیں حرام فرماتا ہے"۔

کچھ لوگ یہاں یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ تحلیل وتحریم کی نسبت رسولِ خدا ﷺ کی طرف مجازی ہے حقیقۃً قرآن میں جو حلال وحرام بیان کیا گیا ہے، رسولِ اکرم ﷺ اسی کو بیان فرمانے والے ہیں مگر صاحبِ ذوقِ سلیم اور ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں کہ ان آیات میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خصائص وفضائل کا ذکر مقصود ہے چنانچہ اس کے ماقبل میں ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ.

"وہ لوگ جو رسول نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں جس کی بشارت کو تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے"۔

یہاں پر حضور خاتم النّبیین ﷺ کا نبی اُمی ہونا تورات وانجیل میں آپ کی بشارت کا موجود ہونا، آپ کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرمانا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد متصلاً فرمایا گیا۔

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ. (الاعراف ایت ۱۵۷)

Marfat.com

''وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان سے وہ بوجھ اور طوق اتار دیتا ہے جو ان پر پہلے سے موجود تھے''۔

ان آیات پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر و دیگر صفات حضور اکرم ﷺ کی حقیقی صفات ہیں، اسی طرح تحلیل و تحریم کا اختیار بھی حضور ﷺ کو حقیقۃً حاصل ہے اسی بنا پر رسولِ خدا ﷺ فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰی اَرِیْکَةٍ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ۔[1]

''(حضرت مقدام بن معدیکرب راوی ہیں) رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا یاد رکھو مجھے خدا کی کتاب بھی دی گئی ہے اور اس کی مثل (سنت) بھی اس کے ساتھ عطا ہوئی ہے خبردار! عنقریب کچھ شکم سیر مزین تختوں کی ٹیک لگا کر کہیں گے صرف قرآن کو لازم پکڑو، اس میں جو حلال ہوا سے حلال سمجھو اور جو حرام ہوا سے حرام جانو''۔

اس حدیث پاک کے اقتباس سے یہ باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

(۱) سنتِ رسول بھی خدا کی کتاب کی طرح حجتِ شرعیہ ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، ج ۲ : ص ۶۳۲۔

Marfat.com

(۲) کتاب کی طرح سنت بھی پیغمبر علیہ السلام کو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔

(۳) جس طرح قرآن حکیم میں حلال وحرام کا بیان ہے اسی طرح سنتِ رسول میں بھی۔

قرآن حکیم کی تحلیل وتحریم پر ایمان لانا جس طرح ضروری ہے اسی طرح سنتِ رسول علیہ السلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، انہیں حرام جاننا بھی ضروری ہے۔ مثلاً شکار کرنے والے درندہ جانوروں اور پرندوں کو حدیث پاک میں حرام[1] قرار دیا گیا ہے اسی طرح گدھے کی حرمت حدیث پاک میں مذکور ہے، قرآن پاک میں نہیں، ان چیزوں کو سنتِ رسول کی روشنی میں حرام ماننا ہوگا۔

(۴) اس حدیث پاک میں ان لوگوں کے بارے میں بھی واضح پیش گوئی پائی جائی ہے جو شکم سیری اور آرام پرستی کی بنا پر حدیث کی حجیت کا انکار کریں گے اور صرف قرآن، قرآن کی رٹ لگائیں گے۔ غرضیکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ کے تشریعی اختیارات ثابت ہیں، یہ اختیارات آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں، ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سنن کی پیروی اپنے اوپر لازم کرلیں، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد، ج ۲ :ص ۵۳۳۔

Marfat.com

وَمَاسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا لَيْسَ فِيْهِ حُكْمٌ فَبِحُكْمِ اللّٰهِ وَكَذٰلِكَ اَخْبَرَنَا اللّٰهُ فِىْ قَوْلِهٖ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ وَقَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ كِتَابِ اللّٰهِ وَسَنَّ فِيْمَا لَيْسَ فِيْهِ بِعَيْنِهٖ نَصُّ كِتَابٍ وَكُلُّ مَا سَنَّ فَقَدْ اَلْزَمَنَا اللّٰهُ اِتِّبَاعَهٗ وَجَعَلَ فِىْ اِتِّبَاعِهٖ طَاعَتَهٗ وَفِى الْعُنُوْدِ عَنْ اِتِّبَاعِهٖ مَعْصِيَةٌ اَلَّتِىْ لَمْ يَعْذِرْ بِهَا خَلْقًا وَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ مِنْ اِتِّبَاعِ سُنَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَخْرَجًا۔[1]

''رسول پاک ﷺ نے جو کچھ مسنون فرمایا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہی مسنون فرمایا ہے چاہے صراحۃً کتابِ الٰہی میں وہ حکم نہ ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں جو خدا کی راہ ہے، رسولِ خدا ﷺ نے کتابُ اللہ کی تائید میں بھی بیان فرمایا اور ان امور کے بارے میں بھی طریقہ مقرر فرمایا جن کے بارے میں کتابُ اللہ میں بعینہ نص موجود نہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے جو کچھ بھی اپنی سنت کی روشنی میں فرمایا ہم پر اس کی پیروی کرنا لازم ہے، حضور ﷺ کی پیروی کو خدا نے اپنی اطاعت اور آپ کی پیروی سے انحراف کو خدا نے اپنی معصیت قرار دیا ہے اس بارے میں کسی مخلوق کا عذر قابل پذیرائی قرار نہیں دیا اور کسی کے لئے بھی اتباع رسول کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں چھوڑا''۔

---

[1] الرسالہ (للشافعی)، ص ۸۸۔

Marfat.com

شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریعی کام پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے عبادات، معاملات اور ملکی قوانین کے بارے میں اپنے فریضہء تشریع کو جس کمال سے پورا فرمایا ہے وہ آپ کا معجزانہ کارنامہ ہے اور اگر پیغمبرِ اقدس ﷺ کے اس شاہکار کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو پھر قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

عصر حاضر کے بعض ''روشن دماغوں'' کو یہاں پر شبہ لاحق ہوا ہے کہ کیا کتاب اللہ نامکمل اور ناکافی ہے کہ جب تک سنت وحدیث کو ساتھ نہ ملایا جائے اس کی تکمیل نہیں ہوتی اور اگر کتاب اللہ قانون سازی کے لئے خود ہی کافی ہے تو پھر سنت کو تشریعی مأخذ اور حجتِ شرعیہ قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو علمِ قانون سے واقفیت نہ رکھنے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے دنیا بھر میں یہ قاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ جس کسی کو قانون سازی کا اختیارِ اعلیٰ حاصل ہو وہ اگر ایک مجمل حکم دے کر یا ایک اصول طے کر کے اپنے ماتحت کسی شخص یا ادارے کو اس کی تفصیلات کے بارے میں قواعد وضوابط مرتب کرنے کے اختیارات سونپ دے تو اس فرد یا ادارہ کے مرتب کردہ قواعد وضوابط اصل قانون سے الگ چیز نہیں ہوتے بلکہ اسی کا حصہ ہوتے ہیں اور ذیلی قواعد کہلاتے ہیں، یہ ذیلی قواعد بلاشبہ اصل

Marfat.com

قانون سے ملکر اس کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں مگر اس کے یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ اصل قانون ناقص ہوتا ہے اور اس طرح ذیلی قواعد سے اس کا نقص دور ہوتا ہے بلکہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ قانون ساز نے اپنے قانون کا بنیادی حصہ خود بیان کیا اور تفصیلی حصہ اپنے ماتحت شخص یا ادارے سے مرتب کرایا۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قانون سازی میں کچھ اس قسم کا طریق کار اختیار فرمایا ہے، اس نے قرآنِ مجید میں مجمل و مختصر احکام اور ہدایات دے کر یا کچھ اصول بیان کر کے یا اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسولِ اکرم ﷺ کے سپرد کر دیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیل مرتب کریں بلکہ اسے عملی جامہ پہنا کر دنیا کو دکھلا دیں، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الام میں لکھتے ہیں:

فَرَضَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ كِتَابِهٖ مِنْ وَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبَانَ فِيْهِ كَيْفَ فَرْضَ بَعْضَهَا حَتّٰى اسْتَغْنٰى فِيْهِ بِالتَّنْزِيْلِ عَنِ التَّاوِيْلِ وَالْخَبْرِ وَالْاٰخَرُ اَنَّهٗ اَحْكَمَ فَرْضَهٗ بِكِتَابِهٖ وَبَيَّنَ كَيْفَ هُوَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ ﷺ ثُمَّ اَثْبَتَ فَرْضَ مَافَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْ كِتَابِهٖ بِقَوْلِهٖ وَمَااٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَبِقَوْلِهٖ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَبِقَوْلِهٖ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ مَعَ غَيْرِ اٰيَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ بِهٰذَا الْمَعْنٰى فَمَنْ قَبِلَ عَنْ

Marfat.com

رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَبِفَرْضِ اللّٰہِ قَبِلَ.[1]

''قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرائض واحکام دوطرح سے بیان فرمائے ہیں، ایک تو یہ کہ فرض اوراس کی کیفیت کوبھی بیان کردیا ہے یہاں تک کہ اس تنزیلی حکم کی صراحت کی وجہ سے کسی تاویل یاروایت کی ضرورت نہیں رہی، دوسرا یہ کہ اصل فریضہ کوکتاب اللہ میں محکم کردیا مگراس کی کیفیت اور تفصیل کولسانِ پیغمبر ﷺ پر بیان فرمادیا پھر رسول ﷺ کے فرامین کی اہمیت کوان آیات کے ذریعے ثابت فرمادیا کہ جو کچھ خدا کا رسول دے لے لواور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ، نیز یہ کہ تیرے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے تمام نزاعی معاملات میں آپ کو اپنا حکم تسلیم نہ کرلیں اور کہیں یوں ارشاد فرمایا کہ کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ خدا اور رسول کے فیصلے کے بعد وہ اپنی رائے سے کوئی اور راہ نکالیں، اس کے علاوہ اور کئی آیات میں اس کی اہمیت بیان فرمادی لہٰذا اب جوبھی رسولِ خدا ﷺ کی طرف سے کسی فرض کوقبول کرتا ہے، درحقیقت وہ فرضِ خداوندی ہی کوقبول کرتا ہے''۔

تشریعِ قوانین کا یہ اختیار قرآن کریم کے متن میں صاف موجود ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ. (سورۃ النحل)

---

[1] کتاب الام، ج۷:۲۶۳۔

Marfat.com

"ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ اُن کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تا کہ وہ غور و فکر سے کام لیں"۔

قرآن کریم کے اس واضح فرمان کے بعد کوئی مسلمان یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ وہ رسولِ پاک ﷺ کے تشریعی کام کا انکار کرے اور سنتِ نبوی کو ماٰخذ قرار دینے میں کسی تردد کا اظہار کرے۔

تشریعی احکام کی چند مثالیں

رسولِ اکرم ﷺ کے تشریعی کام کی تفصیل تو اس مقالے میں ناممکن ہے البتہ ہم چند مثالوں سے اس کی وضاحت کرتے ہیں:

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ. ترجمہ: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاکی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اپنے محبوب ﷺ کو ہدایت فرمائی وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ (اپنے لباس کو پاک صاف رکھیے) حضور اکرم ﷺ نے اس منشاءِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے طہارتِ جسم ولباس کے متعلق تفصیلی ہدایات دیں جو کتبِ حدیث اور کتبِ فقہ میں پوری شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں۔

(۲) قرآنِ کریم نے حکم دیا وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّھَّرُوْا. (اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرو) نبی کریم ﷺ نے تفصیل سے بتایا کہ

Marfat.com

جنابت سے کیا مراد ہے اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے، جنابت سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے غسل کس طرح کیا جائے وغیرہ۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنا منہ دھولو، کہنیوں تک ہاتھ دھوؤ، سر پر مسح کرو اور پاؤں دھولو، نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ منہ دھونے کے ساتھ ساتھ کلی کرنا اور ناک میں پانی بھی ڈالنا چاہیے یہ بھی فرمایا کہ کان، سر کا حصہ ہیں، کانوں پر بھی مسح کرنا چاہیے، نیز یہ کہ پاؤں میں موزے ہوں تو ان پر بھی مسح کیا جائے ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی کہ وہ کون سے امور ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۴) قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو!) حضور نبی کریم ﷺ نے نماز کی پوری ہیئت مختلف ارکان اور اذکار کی مکمل وضاحت فرمائی، اوقات کی تعیین فرمائی اور تمام لوازمات کا بیان شافی فرمایا۔

(۵) قرآن پاک نے کھانے پینے کی چیزوں میں چند اشیاً کے حرام ہونے کی تصریح کی مثلاً میتہ، دمِ مسفوح، لحمِ خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز، اس کی مزید تفصیل حضور ﷺ نے اپنے قول و عمل سے فرمائی اور کئی ایسی چیزوں کی حرمت بیان فرمائی جن سے قرآن مجید ساکت ہے مثلاً شکار کرنیوالے درندے اور پرندے وغیرہ۔

(۶) قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے

Marfat.com

ہوئے فرمایا اگر میت کی نرینہ اولاد نہ ہو اور صرف ایک لڑکی ہو تو نصف ترکہ پائے گی، دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ اگر دو ہوں تو انہیں بھی دو تہائی حصہ ملے گا۔

قرآن پاک نے قانونِ وراثت بیان فرمایا، رسولِ خدا ﷺ نے اس سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا لَایَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ [1] (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا) اسی طرح میراث سے متعلق بہت سے مسائل بیان فرمائے۔

(۷) قرآن پاک نے عمومی طور پر قانونِ وصیت بیان فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی استثنائی صورت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہوسکتی [2] قرآنِ پاک میں وصیت کی آخری حد بیان نہیں کی گئی، رسولِ اکرم ﷺ نے بتادیا کہ اس کی آخری حد ترکے کا تہائی حصہ ہے۔ [3]

(۸) قرآنِ پاک نے محرماتِ نسبیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ دو بہنیں ایک ساتھ نکاح میں نہ رکھو، رسولِ خدا ﷺ نے اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی فرمایا کہ پھوپھی اور بھتیجی نیز خالہ اور بھانجی کو ایک ساتھ نکاح

---

[1] صحیح مسلم شریف، ج ۲: ص ۳۳۔ [2] سنن نسائی، ج ۲: ص ۱۱۴۔ ایضاً نصب الرایۃ ج ۴: ص ۳۰۴۔
[3] صحیح مسلم شریف، ج ۲: ۴۰۔

Marfat.com

میں رکھنا حرام ہے۔[1]

(۹) قرآنِ پاک نے محرماتِ رضاعیہ، رضاعی ماں اور بہن کا ذکر فرمایا، حضور ﷺ نے اس بارے میں عمومی ضابطہ بیان فرمادیا کہ:

یَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَایَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ.

"رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب کی بنا پر حرام ہیں"۔

(۱۰) قرآنِ پاک نے بیع وشراء کے بارے میں فرمایا کہ لین دین باہمی رضامندی سے ہونا چاہیے، رسولِ خدا ﷺ نے بیع کے مسائل (مزابنہ، محاقلہ وغیرہ) کا فساد اور بیعِ سلم وغیرہ کا جواز تفصیل سے بیان فرمایا۔

(۱۱) قرآنِ کریم نے رِبوا کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

"اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے"۔

حضورِ اکرم ﷺ نے اس کی پوری وضاحت فرمادی، چھ چیزوں کا نام لے کر فرمایا کہ یہ دست بدست اور ہموزن ہونی چاہییں، ان میں کمی بیشی حرام ہے، اس کے علاوہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے سودی لین دین کا لعدم قرار دیا اور عملی طور پر سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی تقاضوں کی قطعی نفی فرمادی۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، ج۱: ص۴۵۲۔

[2] سنن ابی داؤد، ج۱: ۳۶۳۔

Marfat.com

غرضیکہ آپ نظامِ حیات کے کسی گوشہ کو لیں، اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی ہدایات آپ کی رہنمائی کریں گی اور آپ کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑیگا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سنت وحدیث سے قطع نظر کر کے اسلامی آئین مکمل نہیں ہوسکتا۔ یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ حضور ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ آپ کی ذاتی رائے تھی اور اسی زمانہ کے حالات کے مطابق ایک موزوں تجویز تھی، اب اس میں مرورِ زمانہ کے ساتھ تبدیلی کرنا جائز ہے اور یہ تبدیلی بھی سنت کا جز ہے جیسا کہ عصرِ حاضر کے بعض تجدد پسند مفکر خیال کرتے ہیں۔

سنت کے بارے میں اُن کا یہ نظریہ حقیقت اور صداقت سے بالکل بعید ہے، اس بارے میں حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ مامور من اللہ ہو کر فرمایا قرآن مجید گواہی دیتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں فرماتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔ [1]

حضور اکرم ﷺ خود بھی فرماتے ہیں کہ میرے دہنِ مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ [2]

اہل علم اور اہل دل حضرات کا اتفاق ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی سنت وحدیث آپ کی رائے کا نام نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کا نام ہے جسے ہم وحیِ خفی اور

---

[1] سورۂ والنجم، ایت ۳، ۴۔ [2] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، ج ۲ : ص ۵۱۴۔

Marfat.com

وحیِ غیر متلو سے تعبیر کرتے ہیں اور جس طرح حضور علیہ السلام کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے ایسے ہی آپ کی سنت بھی قیام قیامت تک کے لئے حجت ہے اور اسلامی قوانین کا دوسرا سرچشمہ ہے۔

سنت وحیِ الٰہی ہے

ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ سنت بھی قرآن کی طرح وحی ہے، فرق یہ ہے کہ قرآن وحیِ متلو ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے، اسے وحیِ جلی بھی کہتے ہیں لیکن سنت وحیِ خفی اور غیر متلو ہے، قرآنِ مجید میں الفاظ کا اِلقاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن سنت وحدیث میں ایسا نہیں بلکہ مطالب، رسول اللہ ﷺ کے دل میں اِلقاء کر دیئے گئے جنہیں آپ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا اس لئے ہم قرآن کو کلامِ معجز اور کلامِ مُنَزَّل کہتے ہیں جب کہ سنت کو غیر معجز اور کلامِ رسول کہتے ہیں، امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَیْسَ لَهٗ کَلَامَانِ اَحَدُهُمَا قُرْاٰنٌ وَالْاٰخَرُ لَیْسَ بِقُرْاٰنٍ وَاِنَّمَا الْاِخْتِلَافُ فِی الْعِبَارَاتِ فَرُبَمَا دَلَّ عَلٰی کَلَامِهٖ بِلَفْظٍ مَّنْظُوْمٍ یَأْمُرُنَا بِتِلَاوَتِهٖ فَیُسَمّٰی قُرْاٰنًا وَرُبَمَا دَلَّ بِغَیْرِ لَفْظٍ مَتْلُوٍّ فَیُسَمّٰی سُنَّةً۔[1]

"اصل میں دو کلام نہیں جن میں ایک قرآن ہو اور دوسرا غیر قرآن،

---

[1] المستصفٰی، ج۱:ص۸۰۔

Marfat.com

یہ عبارت کا اختلاف ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام پر لفظِ عموم سے دلالت فرمائے اس کی تلاوت کا امر فرمائے تو اسے قرآن کہا جائے گا اور الفاظِ متلو کے بغیر دلالت کی جائے تو اسے سنت کا نام دیا جائے گا"۔

بعض معاصرین کا خیال ہے کہ حضور ﷺ پر صرف بصورت قرآن ہی وحی نازل ہوتی تھی اور سنت کے وحیِ الٰہی ہونے کا کوئی ثبوت کم از کم قرآن میں تو نہیں ملتا، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی سنت کے وحیِ الٰہی ہونے کو قرآن مجید کی روشنی میں ثابت کریں۔

سنت کے وحیِ الٰہی ہونے پر دلائل

قرآن مجید کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو کتاب کے ساتھ حکمت بھی عطا ہوتی ہے چنانچہ تیسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. (ال عمران ایت ۸۱)

"یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا"۔

Marfat.com

اس میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو کتاب وحکمت دونوں عطا فرماتا ہے چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا. (سورۂ نساء ایت ۱۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

سورۂ آل عمران میں بعثت نبوی کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ .(ال عمران ایت ۱۶۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے، انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے''۔

اسی طرح سورہ احزاب میں امہات المؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا؛

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةَ.

(الاحزاب ایت ۳۴)

Marfat.com

''یادکرو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت''۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حکمت کونسی چیز ہے جس کا ذکر بار بار کتاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔

لفظِ حکمت کا مفہوم

فنِ لغت کے امام راغب اصفہانی نے مفردات میں بیان کیا ہے کہ حکمت کا مادہ حکم ہے اور حکم کے معنٰی ہیں منع کرنا حَکَمَ اَیْ مَنَعَ مَنْعاً لِلْاِصْلَاحِ یعنی اصلاح کے لئے کسی کو کسی امر سے باز رکھنا اسی لئے لگام کو بھی حکمت کہتے ہیں کیونکہ وہ گھوڑے کو سرکشی سے روکتا ہے اسی مناسبت سے کہتے ہیں اَلْحِکْمَۃُ وَضْعُ الْاَشْیَاءِ فِیْ مَحَلِّھَا یعنی اشیاء کو اپنے صحیح محل پر رکھنا اور غیر صحیح محل میں استعمال نہ کرنا۔

علامہ مرتضٰی زبیدی نے تاج العروس میں مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَلْحِکْمَۃُ الْعَدْلُ فِی الْقَضَاءِ وَالْعِلْمُ بِحَقَائِقِ الْاَشْیَاءِ عَلٰی مَا ھِیَ عَلَیْہِ وَالْعَمَلُ بِمُقْتَضَاہُ وَلِھٰذَا اِنْقَسَمَتْ اِلٰی عِلْمِیَّۃٍ وَعَمَلِیَّۃٍ۔ [1]

---

[1] تاج العروس، فصل الحاء من باب المیم۔

Marfat.com

"کسی جھگڑے کا فیصلہ کرتے وقت عدل کرنے کو حکمت کہتے ہیں اور اشیاء کی اصل حقیقت کو جان لینا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا بھی حکمت کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں "حکمتِ عملی اور حکمت علمی"۔

لغوی مفہوم واضح ہو جانے کے بعد اب ان قرآنی آیات پر غور کرنا ہے جہاں کتاب و حکمت کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ان آیات میں لفظ حکمت سے مقصود حکمت کتاب ہے، کتبِ مُنَزَّ لہ میں جو اوامر و نواہی، احکامات و ارشادات، وعد و وعید اور پند و موعظت مذکور ہو، ان کی ماہیت و حقیقت کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہر پیغمبر کو عطا فرماتا ہے اسی طرح رحمتِ دو عالم ﷺ کو بھی کتاب اللہ کا صحیح علم و عمل اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور یہی حضور ﷺ کا علم و عمل ہے جسے ہم سنتِ نبوی سے تعبیر کرتے ہیں چاہے کوئی اسے حکمتِ نبوی سے تعبیر کرے یا سنتِ نبوی سے دونوں صورتوں میں مصداق واحد ہے۔

؎ عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ

حکمت جب بصورتِ وحی، خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سنت بھی وحیِ الٰہی اور منزل من اللہ ہے، حکمت سے سنت نبوی مراد لینے میں ہم منفرد نہیں بلکہ بہت سے جلیل القدر ائمہ نے یہی قول اختیار کیا ہے چنانچہ حافظِ مغرب یوسف بن عبدالبر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے:

Marfat.com

عَنْ قَتَادَةَ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ قَالَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ قَالَ اَبُوْعَمْرٍو كَذَالِكَ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ ثَوْرٍ وَابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ.[1]

''محمد بن ثور اور عبداللہ بن مبارک نے معمر کے واسطے سے قتادہ (جلیل القدر تابعی مفسر) سے روایت کیا ہے کہ سورۂ احزاب کی محولہ بالا آیت میں حکمت سے مراد سنت ہے''۔

امام شافعی نے بھی حکمت سے سنت کا مفہوم مراد لیا ہے چنانچہ الرسالہ میں لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ مَنْ اَرْضٰى مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اَلْحِكْمَةُ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ.[2]

''میں نے پسندیدہ اہل علم حضرات سے سنا ہے کہ حکمت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے''۔

اسی مفہوم کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَلَمْ يَجُزْ وَاللّٰهِ اَعْلَمُ اَنْ يُقَالَ الْحِكْمَةُ هٰهُنَا اِلَّا سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عليه السلام۔

---

[1] جامع بیان العلم، ج:۱ص:۱۷۔

[2] الرسالۃ (للشافعی) ۷۸۔

Marfat.com

''یہاں پر سوائے حکمت کو سنت قرار دینے کے اور مفہوم مراد لینا جائز نہیں''۔

چونکہ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ تلاوت تو کتاب کی ہوتی ہے، سنت کے لئے لفظ تلاوت استعمال کرنے کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں تلاوت کا معنٰی مطلقاً پڑھ لینا یا زبان سے ادا کر لینا تھا نہ کہ قرأتِ متواترہ کی تلاوت کرنا چنانچہ کتاب الام میں فرماتے ہیں:

قَالَ فَهٰذَا الْقُرْاٰنُ يُتْلٰى فَكَيْفَ تُتْلَى الْحِكْمَةُ قُلْتُ اِنَّمَا مَعْنَى التِّلَاوَةِ اَنْ يُنْطَقَ بِالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَةِ.[1]

''اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن کی تلاوت ہوتی ہے پس حکمت کی تلاوت کے کیا معنٰی ہیں؟ میں کہتا ہوں تلاوت کے معنٰی ہیں کہ قرآن وسنت کے ساتھ نطق کیا جائے''۔

مشہور مؤرخ اور مفسر حافظ ابن کثیر دمشقی فرماتے ہیں:

اَلْحِكْمَةُ هِيَ السُّنَّةُ وَذٰلِكَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَ تِلَاوَةَ الْكِتَابِ وَتَعْلِيْمَهُ ثُمَّ عَطَفَ عَلَيْهِ الْحِكْمَةَ فَوَجَبَ اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ شَيْأً اٰخَرَ وَلَيْسَ ذٰلِكَ اِلَّا السُّنَّةَ.[2]

''حکمت سے مراد سنت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت و تعلیم

---

[1] کتاب الام (للشافعی)، ج ۷: ۲۵۱۔ [2] تفسیر ابن کثیر، ج ۱: ۱۱۲۔

Marfat.com

کتاب پر حکمت کو معطوف کیا، اس لئے یہاں پر حکمت سے مراد کتاب کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور یہ سنت ہی ہے"۔

کتاب کے ساتھ حکمت وسنت نازل کرنے کی حکمت

کتاب کے ساتھ حکمت وسنت نازل کرنے کی وجہ دین کو اہل خرد کی موشگافیوں سے محفوظ رکھنا تھا کیونکہ اگر کتاب اللہ کے احکام کی تشریح اور مطالب کا تعین عقل انسانی کے سپرد ہو تو پھر احکامِ الٰہیہ اہل خرد کی موشگافیوں کا نشانہ بن کر رہ جائیں گے اور ہر شخص اپنی صوابدید کے مطابق علیٰحدہ علیٰحدہ تعبیر وتشریح شروع کر دے گا جس کے نتیجے میں اُمت کے اندر تشتت وافتراق کو مزید ہوا ملے گی۔

تعبیرِ حکمت پر ایک اشکال کا جواب

حکمت سے سنت مراد لینے پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ یہ تب درست ہے جب حکمت انبیاء کرام کا خاصہ ہو اور کوئی غیر نبی حکمت کا حامل نہ ہو حالانکہ نصوصِ قرآن میں صراحت ملتی ہے کہ حکمت غیر انبیاء کو بھی دی جاتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَى الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا.

"اللہ تعالیٰ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت دی گئی

Marfat.com

ہے اسے خیر کثیر دی گئی"۔

جواباً عرض ہے کہ ہم اس حکمت سے سنت مراد لیتے ہیں جو کتاب کے ساتھ انبیاءِ کرام کو عطا کی جاتی ہے یہ حکمت اس حکمت سے جداگانہ چیز ہے جو غیر انبیاء کو بھی عطا کی جاتی ہے۔ ان دونوں حکمتوں میں واضح فرق یہ ہے کہ انبیاء کی حکمت خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے جیسا کہ گذشتہ آیات سے ثابت ہو چکا ہے لیکن غیر نبی کی حکمت وہ خصوصی ملکہ ہے جس کی مدد سے غور و فکر کے ذریعہ حقائق کائنات سے بقدر طاقتِ بشریہ آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ حکمت انبیاء میں غلطی کا وقوع ناممکن ہے جب کہ غیر انبیاء کرام کی حکمت مین نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے، اگر کوئی اس فرق کو تسلیم نہ کرے اور انبیاءِ کرام کی حکمت سے بھی ملکہ اور استعداد مراد لے تو پھر اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ انبیاءِ کرام خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کو حکمت کا عطا ہونا نص قرآنی میں صراحت کے ساتھ ثابت ہے لیکن غیر انبیاء کے بارے میں تصریح نہیں ملتی کہ فلاں فلاں کو حکمت سے نوازا گیا۔ اب یہ کیسے پتا چلے کہ فلاں فلاں شخص کو واقعۃً حکمت عطا کی گئی ہے اور اسے اس خیر کثیر سے نوازا گیا ہے جس کے ساتھ دین و دنیا کی فلاح وابستہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس بارے میں حکمت نبوی ہی معیار ہو سکتی ہے کیونکہ ہم صرف نبی کریم ﷺ کے متعلق یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ

Marfat.com

صاحب حکمت ہیں لہٰذا جس حکیم کی حکمت، حکمتِ نبوی سے ہم آہنگ ہو گی وہ خیر کثیر کا حامل ہوگا ورنہ نہیں، یہ ایسا ہی ہے کہ رؤیا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔[1]

ظاہر ہے کہ ہر شخص کے خواب کو یہ درجہ نہیں دیا جا سکتا، یہاں بھی اُنہی لوگوں کے سچے خواب مراد ہونگے جو اتباعِ شریعت اور محبتِ رسول علیہ السلام میں امتیازی مقام رکھتے ہیں ان کی خواب کو فیضانِ نبوت کی جز قرار دیا جائے گا نہ کہ نفس نبوت کی، اسی طرح غیر نبی کے اجتہاد کا مسئلہ ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد کو وحیِ خفی[2] سے تعبیر کیا گیا ہے مگر دوسرے مجتہدین کو یہ حیثیت قطعاً حاصل نہیں، غیر نبی کا وہی اجتہاد مستند ہوگا جو کتاب وسنت کی روشنی میں کیا گیا ہو اور وہ اجتہاد کرنے والا اُن شرائطِ اجتہاد کے ساتھ موصوف ہو جو مجتہد کے لئے ضروری ہیں، غیر نبی سے اگر اجتہاد میں خطا ہو تو وہ عمر بھر اسی خطا پر مصر رہ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے انبیاءِ کرام کی خصوصی حفاظت فرماتا ہے لہٰذا اُن کا کسی اجتہاد پر قائم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد خدا تعالیٰ کو بھی پسند ہے اور امت کے لئے حکم شرعی کا مثبت ہے۔[3]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سنتِ نبوی اور حکمتِ نبوی، ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، حکمتِ نبوی ہی حجتِ شرعیہ ہے اور اس ''میزان منزل'' کا مصداق ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

---

[1] صحیح مسلم شریف، ج ۲: ص ۲۴۱۔ [2] مسلم الثبوت، ۲۷۸۔ [3] حسامی، ۹۲۔

Marfat.com

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ. (الحدیدایت ۲۵)

ہم نے آپ پر کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں میزان سے مراد حسی ترازو نہیں اور نہ ہی کتاب کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت ہے، یہاں میزان سنت ہی کی طرف اشارہ ہے جو کتاب کے ساتھ نازل ہوئی ہے اور حق و باطل کو پرکھنے کے لئے معیار شرعی کی حیثیت رکھتی ہے علماءِ حق شروع ہی سے اس حقیقت کو تسلیم کرتے آئے ہیں کہ سنت بھی وحیِ الٰہی ہے مگر اب کچھ لوگوں نے (جو اپنے آپ کو غالباً فہم قرآن کے اجارہ دار سمجھتے ہیں) یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضور ﷺ پر صرف ایک قسم کی وحی بصورت قرآن اُترتی تھی جو ہمارے سامنے محفوظ و موجود ہے، اس کے سوا کسی اور قسم کی وحی ثابت نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے مفہوم کی تحقیق اور قرآنی روشنی میں اس پر تبصرہ کیا جائے۔

وحی کیا ہے

مفرداتِ قرآنی کی تحقیق کرنے والے مشہور فاضل علامہ راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

Marfat.com

(اَلْوَحْیُ) اَصْلُ الْوَحْیِ اَلْاِشَارَةُ السَّرِیْعَةُ وَلِتَضَمُّنِ السُّرْعَةِ قِیْلَ اَمْرٌ وَحْیٌ وَذٰلِکَ یَکُوْنُ بِالْکَلَامِ عَلٰی سَبِیْلِ الرَّمْزِ وَالتَّعْرِیْضِ وَقَدْ یَکُوْنُ بِصَوْتٍ مُجَرَّدٍ عَنِ التَّرْکِیْبِ وَبِاِشَارَةٍ بِبَعْضِ الْجَوَارِحِ وَبِالْکِتَابَةِ وَقَدْ حُمِلَ عَلٰی ذٰلِکَ قَوْلُهٗ تعالٰی عَنْ زَکَرِیَّا فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّعَشِیًّا فَقَدْ قِیْلَ رَمْزٌ وَیُقَالُ لِلْکَلِمَةِ الْاِلٰهِیَةِ الَّتِیْ تُلْقٰی اِلٰی اَنْبِیَائِهٖ وَحْیٌ وَذٰلِکَ اَضْرَبُ جِسْمًا دَلَّ عَلَیْهِ قَوْلُهٗ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ الایة۔[1]

”وحی کا اصل معنٰی تیزی سے اشارہ کرنا ہے اور اسی سرعت کے مفہوم کی بنا پر کہا جاتا ہے امرٌ وحیٌ (تیزی والا امر) اور یہ اشارہ سریعہ کبھی اشارہ و کنایہ والی گفتگو سے ہوتا ہے کبھی ایسی آواز سے جس میں ترکیب لفظی نہ پائی جائے، کبھی اعضاء کے اشارہ سے اور کبھی لکھنے سے حضرت زکریا علیہ السلام کا ارشاد فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ پس زکریا علیہ السلام نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح کو اور زوال کے بعد خدا کی تسبیح کیا کرو، کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے رمز و اشارہ سے کام لیا تھا اور وحی کا اطلاق اس کلمہ خداوندی پر بھی کیا جاتا ہے جو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو القاء کیا جاتا ہے اور اس کی کئی قسمیں ہیں جو آیۃ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ (الآیۃ) میں بیان کی گئی ہے“۔

Marfat.com

علامہ عبدالعظیم زرقانی وحی کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَمَّا الْوَحْیُ فَمَعْنَاهُ فِیْ لِسَانِ الشَّرْعِ اَنْ یُعَلِّمَ اللّٰهُ مَنِ اصْطَفَاهُ مِنْ عِبَادِهٖ کُلَّ مَآاَرَادَ اِطِّلَاعَهٗ عَلَیْهِ مِنَ الْوَانِ الْهِدَایَةِ وَالْعِلْمِ وَلٰکِنْ بِطَرِیْقَةٍ سِرِّیَّةٍ خَفِیَّةٍ غَیْرِ مُعْتَادَةٍ لِلْبَشَرِ۔[1]

''وحی کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جسے چاہے مختلف اقسام کے علومِ ہدایت سے مطلع کرے لیکن پوشیدہ رازدارانہ طریقے سے جو بشری طریق معتاد کے خلاف ہو''۔

اس وحی کی قرآن کریم نے حسبِ ذیل تین صورتیں بیان کی ہیں چنانچہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَایَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ.

(سورۃ الشوریٰ، ایت ۵۱)

کسی بشر کیلئے نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ایک خاص طریقے سے یا پردے کے پیچھے سے یا اس طرح کہ ایک قاصد بھیجے اور وہ اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہو اور وہ برتر اور دانا ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر احکام وہدایات نازل کرنے کی تین صورتیں بتائی ہیں ایک القاء والہام، چنانچہ علامہ قرطبی نے وحیا کی تشریح

---

[1] مناہل العرفان فی علوم القرآن، ج ۱ :ص ۵۶۔

Marfat.com

میں حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے:

قَالَ مُجَاهِدٌ نَفَثَ يَنْفُثُ فِیْ قَلْبِهٖ فَيَكُوْنُ اِلْهَامًا وَمِنْهُ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا وَاَجَلَهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاجْمَلُوْا فِی الطَّلَبِ خُذُوْا مَاحَلَّ وَدَعُوْا مَاحَرُمَ۔[1]

''یہاں پر وحی سے مراد وہ القاء ہے جو پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے دل پر کیا جاتا ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک روح اقدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق اور دنیا میں اپنی مدت عمر پوری نہ کر لے پس اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں عمدگی اور اختصار برتو حلال چیزیں لے لو اور حرام چیزیں چھوڑ دو''۔

غرضیکہ حضرت مجاہد کے اس قول کی روشنی میں یہاں پر وحیاً سے مراد القاء والہام ہے۔

وحی کی دوسری قسم قرآن نے یہ بتائی ہے کہ رب تعالیٰ پردے کے پیچھے کسی سے کلام کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو ہوئی تھی اور تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے پیغمبر فرشتے کے ذریعے سے وحی کرے اور اس پر اتفاق ہے کہ قرآنِ مجید میں اسی قسم کی وحی موجود ہے چنانچہ انیسویں پارے

---

[1] تفسیر الجامع لاحکام القرآن (قرطبی)، ج۱۶:۵۳۔

Marfat.com

میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ o (الشعراء ایت ۱۹۲ تا ۱۹۴)

یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے جسے روح الامین جبریل علیہ السلام نے آپ کے قلب اقدس پر اتارا ہے تا کہ آپ عذابِ الٰہی سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

اس سے واضح ہو گیا کہ قرآنِ مجید صرف ایک قسم کے مجموعہ وحی پر مشتمل ہے آسمانی ہدایات وعلوم ملنے کی باقی دو صورتیں (جن کا ذکر سورۃ الشوریٰ کی مذکورہ بالا آیت میں کیا گیا ہے) اس کے علاوہ ہیں۔

اب ہم قرآنِ مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس وحی متلو کے علاوہ باقی صورتوں سے بھی آپ کو آسمانی ہدایات ملتی تھیں۔

قرآن سے وحیِ خفی کا ثبوت

(۱) سورۂ بقرہ[1] میں ارشاد ہوتا ہے:

''ہم نے بیت المقدس کو اسلئے قبلہ بنایا تھا تا کہ یہ دیکھیں کہ کون رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے''۔

یہاں پر اتباعِ رسول ﷺ سے کسی طرح بھی اتباعِ قرآن مراد نہیں

---

[1] سورۂ بقرہ، ایت ۱۴۳۔ [2] صحیح مسلم، ج ۱ : ۲۲۰۔

Marfat.com

لیا جا سکتا اس لئے کہ مسجد حرام سے پہلے جو قبلہ تھا اسے قبلہ بنانے کا حکم قرآنِ پاک میں کہیں نہیں ملتا اس لئے لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ وہ قبلہ وحیِ خفی یعنی سنتِ نبوی کے ذریعے مقرر کیا گیا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ آنے کے سولہ یا سترہ ماہ بعد تحویل قبلہ کا حکم آیا اس عرصہ میں بیت المقدس قبلہ نماز تھا جس کی دلیل سنتِ نبوی کے علاوہ قرآن سے کہیں نہیں ملتی، بعد میں سورۂ بقرۃ میں ارشاد ہوا کہ یہ کلام اس لئے تھا کہ اتباع رسول کرنے والوں اور الٹے پاؤں پھرنے والوں کے درمیان امتیاز ہو جائے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ رسول ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی دوسری یہ کہ رسولِ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی پیروی کرنے پر بھی مامور ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں۔

(۲) یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ نماز آغاز اسلام میں فرض ہوئی اور ظاہر ہے کہ نماز سے پہلے وضو کیا جاتا تھا لیکن وضو کے بارے میں قرآنی ارشاد سورۂ مائدہ میں ملتا ہے جس کے بارے میں مختلف روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول تقریباً صلح حدیبیہ سے شروع ہوا اور حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا اختتام ہوا۔ [1]

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، ج ۱ : ۱۸۶۔

Marfat.com

اس سورت کے نزول سے پہلے حضور ﷺ کا وضو فرمانا اور صحابہ کا آپ کی پیروی کرنا، وحیِ خفی سے نہیں تو اور کس طریقہ سے تھا؟

یہاں پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ اگر وحیِ خفی حجت تھی تو پھر قرآن میں سورۂ مائدہ آیت نمبر ٦ میں وضو کا حکم تفصیل سے کیوں دیا گیا؟ معلوم ہوا کہ وحی خفی بذاتہٖ حجت نہیں تھی اور نہ قابل اعتبار تھی، اس لئے قرآنِ مجید کی وحیِ متلو سے اس کی توثیق ضروری سمجھی گئی لیکن یہ شبہ بھی کج فہمی کی پیداوار ہے اس لئے اگر وحیِ خفی حجت نہیں تھی، تو پھر تعیین قبلہ، ہیئتِ نماز اور کیفیتِ وضو کے بارے میں قرآنی ہدایات نازل ہونے سے پہلے سالہا سال تک کیوں عمل ہوتا رہا۔

وضو کے بارے میں سورۂ مائدہ میں جو آیت نازل ہوئی اس کا مقصد وحیِ خفی اور سنت کی حجیت کو واضح کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ حضور رسولِ اکرم ﷺ قولاً وعملاً جو فرماتے یا کرتے تھے وہ منشاءِ خداوندی کے عین مطابق ہے اور اس کی پیروی بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح قرآنی آیات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۳) رسولِ اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا[1] کہ تمام مسلمان پُر امن طور پر مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، بعض نے سر منڈا رکھے ہیں اور

---

[1] تفسیر خزائن العرفان، ص ٦١٢۔

Marfat.com

بعض نے بال ترشوائے ہوئے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو یہ خواب سنایا حضورِ اکرم ﷺ بہت سے مسلمانوں کیساتھ مکہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک لیا، آخر اُن سے صلح ہوئی لیکن اس سال بیت اللہ شریف جانے کی اجازت نہ ملی، مسلمانوں کو واپس آنا پڑا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مابین یہ گفتگو ہوئی:

اَفَلَمْ تَكُنْ تُخْبِرُنَا اَنَّا سَنَأْتِی الْبَيْتَ وَنَطُوْفُ بِهٖ قَالَ بَلٰی اَفَاَخْبَرْتُكَ اَنَّكَ تَأْتِيْهِ عَامَكَ هٰذَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّكَ اٰتِيْهِ وَتَطُوْفُ بِهٖ.

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ نے ہمیں یہ خبر نہیں دی تھی کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے جواب دیا ہاں! لیکن کیا میں نے کہا تھا کہ تم اسی سال جاؤ گے، میں اب بھی کہتا ہوں کہ بیت اللہ جاؤ گے اور طواف کرو گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَاتَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا. (الفتح: آیت ۲۷)

''اللہ تعالیٰ نے یقیناً اپنے رسول علیہ السلام کو سچا خواب دکھایا تھا، تم

Marfat.com

ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہو گے، امن کے ساتھ سر منڈاتے ہوئے اور بال ترشواتے ہوئے بغیر اس کے کہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہو، اللہ کو اس بات کا علم تھا جسے تم نہیں جانتے تھے، اس لئے اس نے اس سے پہلے یہ قریب کی فتح (صلح حدیبیہ) عطا فرمائی"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب کے ذریعے مکہ میں داخل ہونے کا یہ بتایا گیا تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ کو جائیں، کفار روکیں گے، آخر کار صلح ہو گی جس کے ذریعے دوسرے سال عمرے کا موقع ملے گا اور آئندہ کے لئے فتوحات کا دروازہ کھلے گا۔ یہ بھی قرآن کے علاوہ وحیِ خفی سے ہدایات ملنے کا کھلا ثبوت ہے چنانچہ اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کے رؤیا وحی ہوتے ہیں۔

(۵) سورۂ نجم میں معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی. (النجم، ایت)

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی، جو بھی وحی کی"۔

اس وحی کی کنہ اور حقیقت تو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، بہر حال صحیح مسلم کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں اُمت کے لئے یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ ان کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱: ۹۷۔

Marfat.com

اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ اس وحی میں ابتداً پچاس نمازیں بھی فرض کی گئی تھیں چنانچہ مشہور مفسر علامہ ابن جریر طبری حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالَکٍ اَنَّهٗ عَرَجَ جِبْرِیْلُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ثُمَّ عَلاَ بِهٖ بِمَا لَایَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ حَتّٰی جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰی وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ حَتّٰی کَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ فِیْمَا اَوْحٰی خَمْسِیْنَ صَلٰوةً عَلٰی اُمَّتِهٖ کُلَّ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ۔[1]

''حضرت جبریل علیہ السلام رسولِ اکرم ﷺ کو ساتویں آسمان تک لے گئے پھر آپ اس بلندی کی طرف گئے جس کی حقیقت خدا ہی جانتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہٰی آیا، رب العزۃ حضور علیہ السلام سے قریب ہوا اور مزید قریب ہوا یہاں تک کہ قاب قوسین سے بھی زیادہ قریب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی اس میں ابتداً اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں''۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے تخفیف کے لئے عرض کرنا یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں، یہ سب

---

[1] تفسیر ابن جریر، ج ۲۷: ص ۲۴۔

Marfat.com

کچھ وحیِ خفی سے ثابت ہوا، قرآنِ مجید میں اس واقعہ کا ذکر نہیں۔

(٦) سورۂ تحریم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک زوجہ محترمہ سے راز کی بات کہی انہوں نے دوسری کے سامنے اس کا ذکر کیا اور کچھ حصہ سے اعراض کیا، اس زوجہ مطہرہ نے جب آپ سے سوال کیا مَنْ اَنْبَاکَ هٰذَا؟ (آپ کو یہ کس نے بتایا؟) تو آپ نے فرمایا نَبَّأَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ. (مجھے علیم وخبیر خدا نے خبر دی ہے)۔

اس سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحیِ خفی کے ذریعے حضور علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی اہلیہ نے دوسری اہلیہ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا ہے۔

یہاں پر یہ کہنا کہ علیم وخبیر سے مراد ایسا آدمی ہے جو اس راز سے آگاہ تھا سراسر غلط ہے اس لئے کہ ''اَلْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ'' کا اطلاق قرآن مجید میں غیر خدا پر کہیں نہیں کیا گیا، دوسرا یہ کہ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص وحی کے ذریعے آپ کو اس راز سے آگاہ کر دیا تھا۔

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آتی تھی۔

(٧) حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود

Marfat.com

بنی نضیر کی مسلسل بد عہدیوں سے تنگ آ کر ۴ھ میں ان کی بستیوں پر چڑھائی کی، دورانِ محاصرہ اسلامی فوج نے آپ کے حکم سے ان کے کچھ باغات وغیرہ کاٹ دیئے تا کہ حملہ کرنے کے لئے راستہ صاف ہو۔اس پر مخالفین نے شور مچایا کہ مسلمان دعویٰ تو اصلاح کا کرتے ہیں لیکن باغوں کو اجاڑ کر اپنے عمل سے مفسد ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔[1]

اس کے جواب میں رب تعالیٰ نے سورۂ حشر میں ارشاد فرمایا:

مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ.

"کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے اور جو رہنے دیئے یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھے"۔

کیا یہ اجازت قرآنِ مجید کی کسی آیت میں موجود ہے؟ ہرگز نہیں تو لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ وحیِ خفی کے ذریعے یہ اجازت دے دی گئی۔

اس مقام پر اعترافِ حقیقت سے بچنے کے لئے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذنِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ جب جنگ کی اجازت قرآنِ مجید میں نازل ہوئی تو اس کے ساتھ رائج الوقت قواعدِ جنگ کی اجازت بھی سمجھی جا سکتی ہے نیز یہ کہ اذنِ الٰہی سے مراد قوانین فطرت ہیں گویا قانونِ فطرت کی رو سے ایسا کیا گیا نہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعے اس امر سے آگاہ کیا گیا

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج۴ :ص۷۴،۷۵۔

Marfat.com

لیکن ہر ذی ہوش آدمی سمجھ سکتا ہے کہ مخالفین (یہود وغیرہ) کے شور مچانے کے جواب میں رائج الوقت قوانین جنگ کا سہارا کیونکر لیا جاسکتا ہے جنہیں مسلمان بھی فساد فی الارض اور ظلم و بربریت کا مترادف سمجھتے تھے۔

رہے قوانین فطرت تو یہاں ان کا حوالہ بھی موزوں نہیں اس لئے کہ جب مخالفین نے مسلمانوں پر فساد کا الزام لگایا اور ان کے اس اقدام کو حکم الٰہی کے خلاف قرار دیا تو جواب میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں قوانین فطرت مراد ہیں اور پھر باذن اللہ سے قوانین فطرت مراد لینا کس لغت کی رو سے درست ہے؟

غرضیکہ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں (اور اسی طرح دیگر بہت سے معاملات میں جن کی تفصیل باعث تطویل ہے) وحی کے ذریعے اپنے پیغمبر ﷺ کی راہنمائی فرمائی یہ وحی اگرچہ بصورتِ قرآن وحیِ جلی نہ بھی ہو مگر ایک حقیقت ثابتہ ضرور ہے اور اس وحی کا اقرار ایمان بالرسالۃ کا ایک جز ہے۔ یہ وحی ہمیں سنت کی شکل میں ملتی ہے اور یہ بھی حجتِ شرعیہ ہے یہ سنت عارضی اور وقتی نہیں بلکہ دائمی اور ابدی ہے کیونکہ جس طرح قرآنِ مجید تمام عالم کے لئے سامانِ ہدایت ہے یونہی رسولِ اکرم ﷺ تمام عالم کے لئے بشیر و نذیر ہیں جب نبی کی نبوت ابدی ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کی تعلیم بھی ابدی ہے اور اس کی سنت بھی تا قیامت سب لوگوں کیلئے

Marfat.com

مشعل ہدایت ہے جس کی روشنی میں ہر بھٹکا ہوا راہی اپنی کھوئی ہوئی راہ پا سکتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

وحی کا عام مفہوم

وہ تمام آیات جن میں اتباعِ وحی کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ. (فرما دیجئے میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو رب تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے) نیز قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُکُمْ بِالْوَحْیِ (فرما دیجئے میں تمہیں وحیِ الٰہی کے ذریعے ڈراتا ہوں) وغیرہ۔

ان آیات میں وحی کا عام مفہوم مراد ہے چاہے کتابِ متلو کی صورت میں ہو یا بصورتِ سنتِ مرویہ، قرآنِ مجید نے رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق واضح طور پر فرما دیا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں فرماتے آپ کی ہر بات خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے)۔

اگرچہ اس مقام پر بعض اہل علم حضرات نے اسے قرآن کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن ''مَا یَنْطِقُ'' میں جو مفہوم نطق پایا جاتا ہے وہ تخصیص کی بجائے تعمیم کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ مشہور مفسر و مفکر امام فخر الدین رازی یہاں دونوں توجیہیں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْوَجْہُ الثَّانِیْ اَنَّہٗ عَائِدٌ اِلٰی مَذْکُوْرٍ ضِمْنًا وَھُوَ قَوْلُ

Marfat.com

النَّبِيّ ﷺ وَكَلامُهٗ وَذٰلِکَ لِاَنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰی وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی فِیْ ضِمْنِهِ النُّطْقُ وَهُوَ كَلامٌ فَكَاَنَّهٗ تَعَالٰی يَقُوْلُ وَمَا كَلامُهٗ وَهُوَ نُطْقُهٗ اِلَّا وَحْیٌ۔[1]

آیت میں دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ضمیر (هُوَ) قول نبی اور کلام نبی کی طرف راجع ہے جس کا ضمناً ذکر آچکا ہے اس لئے کہ ''مَا يَنْطِقُ'' کے ضمن میں نطق کا مصدری مفہوم موجود ہے اور نطق کلام وقول کو کہتے ہیں پس گویا اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام اور نطق وحیِ الٰہی ہیں۔

عصر حاضر کے عظیم مفسر علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۵ھ) بھی یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قِیْلَ الْمُرَادُ مَایَصْدُرُ نُطْقُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مُطْلَقًا عَنْ هَوًی وَهُوَ عَائِدٌ لِمَایَنْطِقُ بِهٖ مُطْلَقًا اَيْضاً۔[2]

کہا گیا ہے اس سے رسولِ اکرم ﷺ کا مطلقاً نطق بھی مراد ہوسکتا ہے اس طرح ضمیر مطلقاً ''مَا يَنْطِقُ'' کی طرف راجع ہوگی۔ اور مفہوم یہ ہوگا کہ رسولِ پاک ﷺ کا ہر کلام ہوائے نفس سے پاک ہے اور وحی الٰہی سے ہے۔

حفاظت حدیث پر ایک واضح استدلال

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حدیث بھی وحیِ الٰہی ہے اور یہ قرآن کا بیان

---

[1] تفسیر مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) ج ۷: ص ۷۰۰۔ [2] تفسیر روح المعانی پ ۲۷: ص ۴۶۔

Marfat.com

ہے اللہ تعالیٰ نے جس طرح جمعِ قرآن کو اپنے ذمہ کرم میں لیا ہے اسی طرح بیانِ قرآن کو بھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سورۃ القیامہ میں ارشاد خداوندی ہے اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ اس میں واضح طور پر جمعِ قرآن کی ذمہ داری کا ذکر ہے، پھر فرمایا ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ، یہاں بیان وتشریحِ قرآن کو بھی اپنے ذمہ لے لیا لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح الفاظِ قرآن محفوظ ہیں اسی طرح قرآن کا بیان بھی کیونکہ قرآن نظم ومعنٰی دونوں کا نام ہے جیسا کہ علمائے اصول نے تصریح کی ہے چنانچہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ النَّظْمُ وَالْمَعْنٰی جَمِیْعًا فِیْ قَوْلِ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَهُوَالصَّحِیْحُ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ۔[1]

''قرآن نظم ومعنٰی دونوں کا نام ہے جمہور علماء کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول بھی یہی ہے''۔

غرضیکہ جب قرآن نظم ومعنٰی دونوں کا نام ہے لہٰذا اگر صرف نظم قرآن کو محفوظ مانا جائے اور معنٰی کی حفاظت کا قول نہ کیا جائے تو یہ حفاظت ناقص ٹھہرے گی حالانکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ.

---

[1] کنز الوصول الی معرفۃ الاصول (اصول بزدوی) ص ۵۔

Marfat.com

''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں''۔

یہاں مطلق حفاظت کا وعدہ ہے الفاظ کے ساتھ یہ وعدہ مخصوص نہیں لہٰذا حفاظت کاملہ جامعہ مراد ہوگی جو لفظ و معنٰی دونوں پر مشتمل ہوگی پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اس کہ حفاظت کو زمان و مکان کی قید سے آزاد رکھا، گویا اشارہ کر دیا کہ ہمیشہ کے لئے الذکر یعنی قرآنِ مجید محفوظ ہے اور اسی طرح اس کا بیان بھی محفوظ ہے پھر جس طرح قرآنِ مجید کی حفاظت کے لئے حفاظ قرآن کے سینوں کو منتخب کیا گیا اسی طرح حفاظتِ حدیث کے لئے حفاظ حدیث اور محدثین عظام کا انتخاب ہوا قرآن کی حفاظت تدریجاً ہوئی پہلے اسے حفظ کیا گیا اور مختلف چیزوں پر اسے لکھا گیا بعد میں مختلف صحیفوں میں جمع ہوا اور پھر ایک مصحف مرتب و مدون ہوا اسی طرح حدیث پر بھی مختلف دور آئے ابتداً حفظ حدیث کا دور آیا جو دورِ صحابہ ہے اس وقت حدیث زیادہ تر سینوں کی امانت رہی، گو اس زمانہ میں کتابتِ حدیث کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا لیکن غلبہ حفظ کا تھا پھر تدوین حدیث کا دور آیا جو تابعین سے شروع ہوا پھر تجریدِ حدیث کا دور آیا جس میں مرفوع اور غیر مرفوع کو چھانٹا گیا آثارِ صحابہ و تابعین کو احادیثِ نبویہ سے الگ کیا گیا پھر تنقیدِ حدیث کا دور آیا جب کہ وضاعین حدیث کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اربابِ صحاح ستہ و دیگر

Marfat.com

محدثین نے جہاد کیا اور احادیث کو نکھار نکھار کر صحیح کو ضعیف سے الگ کر دکھایا اور اسناد پر زور دیا جانے لگا تا کہ اسناد کی روشنی میں صحت وعدم صحت کا فیصلہ کیا جا سکے اسی بنا پر حدیث کی مختلف اقسام بیان کی گئیں اور قرآنی اصولوں کی روشنی میں ان کے مختلف احکام مرتب کئے گئے اس طرح حدیث وسنت کے لئے سینکڑوں علوم معرض وجود میں آئے۔

قرآن وحدیث کی حفاظت میں ایک فرق

اُمتِ مسلمہ نے متن قرآن کی بھی حفاظت کی اور اس کے شرح وبیان کو بھی محفوظ رکھا البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ کلامِ الٰہی کی وحی چونکہ بلفظہٖ نازل ہوئی تھی اس لئے وہاں الفاظ کا بعینہٖ محفوظ رکھنا لازمی تھا کیونکہ وحی کلام کی تھی اور وہی کلام معجزہ تھی مگر اس وحیِ غیر متلو (سنت) میں معانی ومطالب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کئے گئے مگر الفاظ خدا کی طرف سے نازل شدہ نہ تھے اسلئے یہاں تحفظ الفاظ بعینہٖ اتنا ضروری نہ تھا بلکہ روایت بالمعنٰی کی بھی اجازت تھی اس لئے اُمت نے نفس مضمونِ وحی کی حفاظت پر زیادہ زور دیا اگر چہ اس کے ساتھ ساتھ الفاظ کو بھی محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ نتیجہ کے طور پر صحیح احادیث کے الفاظ یا تو بعینہٖ محفوظ ہیں یا ایسے متقارب ہیں کہ اصل عبارت کے قریب قریب ہیں بہر حال حدیث کی غیر معمولی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی کیونکہ مشیتِ الٰہی کو یہی منظور تھا کہ اس کی

Marfat.com

مقدس کتاب کی تشریح بھی سنت اور وحی کے ذریعے ہو اور اس بارے میں عقل انسانی کو مطلق العنانی حاصل نہ ہو ورنہ ہر انسان کی عقل اسے کسی اور طرف راہ دکھائے گی اور اس طرح کتاب اللہ سے جو وحدتِ فکری مقصود ہے معدوم ہو جائے گی۔

کیونکہ حدیث معانی و مطالبِ قرآنی کی توضیح کر کے وحدتِ فکری کا سبب بنتی ہے اور اصولی نزاع پیدا نہیں ہونے دیتی۔

حدیث اور افتراق امت

لیکن افسوس ہے کہ اس کے برعکس بعض حضرات پیغمبر اسلام ﷺ کی احادیثِ طیبہ کو افتراق و انتشار کا موجب قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر احادیث کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو اتفاق ہے ورنہ نہیں۔

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر سنتِ رسول علیہ السلام کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اور ہر شخص کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنی سمجھ اور دانش کے مطابق جس طرح چاہے قرآن کی تشریح و تفسیر کرے تو کیا اس سے انتشار نہ پھیلے گا؟ بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ افتراق و انتشار کا باعث نہ تو قرآن ہے اور نہ حدیث بلکہ وہ عقل نارسا اور فکر ناہموار ہے جو صرف اپنے اعتماد پر مذہب کا نقشہ تیار کرنا چاہتی ہے چونکہ ہر فرد کی رائے کا انداز دوسرے سے مختلف ہے اس لئے ہر فرد بشر کو تشریح قرآن کا اختیار دینے سے

Marfat.com

اختلافات کا دائرہ یقیناً زیادہ وسیع ہوگا۔

مثال کے طور پر دیکھئے قرآن نے اقامۃ الصلوٰۃ کا حکم دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تشریح وتوضیح کر دی اب جہاں تک نمازوں کے تعین اس کے اہم ارکان اور اجزاء کا تعلق ہے اُمت میں چنداں اختلاف نہیں لیکن اگر یہ کام عقل انسانی کے سپرد ہوتا تو خدا جانے اختلاف کس قدر رونما ہوتا ہر شخص مختلف تعبیر وتشریح کرتا اور ہر ایک کی راہ جدا ہوتی، حقیقت تو یہ ہے کہ احادیث نے اختلافات کے دائرہ کو محدود کر دیا چنانچہ بنیادی اصولوں میں تو اختلاف بہت کم ہے اور فروعی اختلاف اس قدر مضر نہیں بشرطیکہ عصبیت اور تنگ نظری سے کام نہ لیا جائے اور ایک فقہی مکتبِ فکر کا پیروکار دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کرے۔

غرضیکہ اختلافات کو ختم کرنے کے لئے احادیث کو مٹانے کی ضرورت نہیں بلکہ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری کو ختم کیا جائے اور اپنی عقل کی بجائے قرآن وسنت کو رہبر بنایا جائے۔

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ
حسبی اللہ گو کہ اللہ ہم کفیٰ

پہلی امتوں میں افتراق اس وقت پھیلا جب انہوں نے اپنے انبیاء کرام کے آثار وسنن کو چھوڑ کر اپنی رائے کی اتباع شروع

Marfat.com

کردی [1] امت محمدیہ میں بھی افتراق وانتشار خروج واعتزال کی تحریک سے پھیلا جو سنت وحدیث کی بجائے اپنی عقل نارسا کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ سنت نے اُمت میں افتراق وانتشار کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا ہے سب سے پہلے جب رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس امر میں اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے تو اس وقت اس حدیث سے اختلاف ختم ہوا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں سب کے سامنے پیش کی تھی کہ مَادُفِنَ نَبِیٌّ اِلَّاحَیْثُ قُبِضَ [2] (نبی وہیں دفن ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے)۔

اسی طرح جب خلافت کے مسئلہ پر مہاجرین وانصار میں شدید اختلاف رونما ہوا اور انصار کہنے لگے مِنَّا اَمِیْرٌ وَّمِنْکُمْ اَمِیْرٌ (ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم سے ہو) اس وقت قریب تھا کہ ملتِ اسلامیہ میں سخت پھوٹ پڑ جاتی اور اسکا شیرازہ بکھر جاتا یہ سنتِ رسول ﷺ تھی جس نے اختلاف کو ختم کیا چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے یہ حدیث پیش کی اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ [3] (ملکی سربراہ خاندانِ قریش سے ہوں گے)۔اس پر تمام صحابہ خاموش ہوگئے اور سنتِ رسول نے اس عظیم نزاع سے بچالیا جو پہلے مرحلے پر ہی امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیتا اب

---

[1] اعلام الموقعین، ۱:ص ۷۸، [2] الکامل لابن اثیر ج ۲:ص ۳۲۵، [3] تاریخ محاضرات اسلامی، ۱:ص ۱۶۸،

Marfat.com

بھی امت کو انتشار و افتراق سے بچانے کا واحد ذریعہ سنتِ رسول علی الصلوٰۃ والسلام ہی ہے کیونکہ آخر امت کی اصلاح کا ذریعہ بھی وہی ہوسکتا ہے جو اوّلِ امت کی اصلاح کا ذریعہ تھا۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں قرآن کی روشنی میں اتباعِ رسول علیہ السلام کی اہمیت رسولِ اکرم ﷺ کے قول و فعل کی شرعی حیثیت اور آپ کی سنت کی ضرورت و اہمیت پر اپنی بساط کے مطابق کلام کیا ہے اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خود اقوالِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت کیا جائے کہ سنت کا مقام کیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنت کی حفاظت کے لئے کس قدر تاکید فرمائی ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ بحث کا یہ انداز منطقی نہیں کیونکہ دلیل ایسی ہونی چاہیے جس کے مقدمات فریقین کے نزدیک مسلم ہوں اور جب احادیث منکرین کے نزدیک حجت ہی نہیں تو انہیں منکرین کے سامنے بطور دلیل پیش کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ جہاں تک احادیث کی حجیت اور اتباعِ سنت کی اہمیت کا تعلق ہے ہم اسے آیات قرآن سے ثابت کر چکے ہیں یہاں احادیث کے ذکر کا مقصد صرف اس شبہ کا ازالہ کرنا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی امت کو قرآن کے بغیر اور کچھ نہیں دیا اور اسے محفوظ رکھنے کی

Marfat.com

کوئی ہدایت نہیں فرمائی اگر شریعت میں اس کا کوئی مقام ہوتا تو حضور ﷺ ضرور ایسا کرتے۔

اب ہم انشاء اللہ ان کے اس شبہ کا ازالہ احادیثِ صحیحہ سے کریں گے اور صاحبِ سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال کی روشنی میں سنت کی اہمیت کو واضح کریں گے۔

مقام سنت صاحب سنت ﷺ کی نظر میں

رسولِ اکرم ﷺ نے بارہا اپنی سنت کی اہمیت کو واضح فرمایا اور اپنی اطاعت کو انتہائی لازمی قرار دیا چنانچہ اس سلسلے میں حسبِ ذیل ارشادات خصوصی طور پر قابل غور ہیں۔

۱- صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّامَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ یَّأْبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی۔[۱]

''میری ساری امت بہشت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کی گئی وہاں جانے سے کون انکار سکتا ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی بہشت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ

---

[۱] صحیح بخاری (مصری) کتاب الاعتصام، ۹:ص ۱۱۴۔

Marfat.com

انکاری بنا''۔(اور جہنم کا مستحق بنا)

کچھ لوگ کہتے ہیں اطاعت صرف زندہ کی ہوتی ہے حضور ﷺ کی اطاعت بھی آپ کی حیات طیبہ تک تھی، یہ بالکل غلط اور دور از حقیقت بات ہے جس طرح ایمان بالرسالۃ ظاہری حیات طیبہ کیساتھ خاص نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے عام ہے اسی طرح اطاعت بھی قیامت تک کے لئے عام ہے نیز رسولِ اکرم ﷺ کا حیاتِ طیبہ حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہونا ایک حقیقتِ واقعیہ ہے جس پر احادیثِ کثیرہ دال ہیں [1] اہل حق کا اس پر اتفاق ہے لہٰذا آپ کی اطاعت سے کسی دور میں بھی انکار کرنا وہی انکار ہے جو جنت سے محرومی کا باعث ہے۔

۲-رسولِ خدا ﷺ کی اتباع کی اہمیت اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی پیروی کے بغیر کمالِ ایمانی حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں شرح السنۃ کے حوالے سے یہ حدیث منقول ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعاً لِمَا جِئْتُ بِهٖ. [2]

''تم میں سے کوئی آدمی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنی خواہش کو میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ کر دے''۔

---

[1] الحاوی للفتاویٰ (للسیوطی)، ج ۲: ص ۱۴۷ [2] مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۰۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اس میں کتاب وسنت دونوں کی پیروی شامل ہے، دونوں چیزیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی ہیں اور دونوں کی اطاعت لازمی ہے۔

۳-سنت کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امورِ عزیمت کے علاوہ امورِ رخصت میں بھی آپ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے بعض امور کے بارے میں رخصت دی لیکن کچھ حضرات نے یہ کہہ کر کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ ہم سب سے مختلف ہے، اس رخصت سے احتراز کیا اس پر آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

مَابَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْئِ الَّذِىْ اَصْنَعُهٗ فَوَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ خَشِيَّةً لَهٗ. [1]

''ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میری عمل میں لائی ہوئی رخصت سے گریز کرتے ہیں خدا کی قسم! مجھے ان سے خدا کی معرفت زیادہ حاصل ہے اور میرے دل میں ان سے زیادہ خدا کا خوف ہے''۔

یعنی رخصت سے گریز کا باعث عموماً جذبہ تقویٰ اور خوفِ خدا ہوا کرتا ہے اور یہ چیزیں میری ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں لہٰذا میری سنت

---

[1] صحیح بخاری (مصری) ۹:ص ۱۲۰۔

Marfat.com

سے ثابت شدہ رخصت سے پرہیز کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اگر رخصت سے گریز پر اتنا عتاب ہو رہا ہے تو مطلقاً سنت کی حجیت سے انکار پر کس قدر سرکار دو عالم ﷺ ناراض ہوں گے؟

۴۔سنت کی اہمیت اس سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے کتاب اللہ کے ساتھ اس کا ذکر ملا کر فرمایا اور اسے سب سے اعلیٰ و افضل سیرت قرار دیا صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں سند صحیح کیساتھ یہ حدیث روایت کی گئی ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهُدٰی هُدٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، ج ۱: ص ۲۸۴۔ (فائدہ) کچھ حضرات اس حدیث کو دلیل بنا کر ہر نئی بات کو بدعت کہنا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح اہلسنت کے بہت سے معمولات کو بدعت میں شمار کر کے ضلالت و گمراہی کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کی خدمت میں مخلصانہ عرض ہے کہ وہ بدعت کے فتویٰ جاری کرنے سے پہلے شارحینِ حدیث کے کلام کا بھی مطالعہ فرما لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ امام محی الدین نووی شارح مسلم (جن کی شرح انتہائی متداول اور مقبول ہے) اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: هذا عام مخصوص والمراد غالب البدع قال اهل اللغة هی کل شیء علی غیر مثال سبق قال العلماء البدعة خمسة اقسام واجبة و مندوبة ومحرمة ومکروهة ومباحة. ''یہ حدیث مخصوص البعض ہے، اس سے مراد بدعات کا غالب حصہ ہے، اہل لغت، ہر اس بات کو جس کی پہلے سے مثال نہ ملتی ہو، بدعت کہہ دیتے ہیں، علماء نے بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں، واجب، مستحب، مکروہ، حرام اور مباح''۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

''حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا یاد رکھو سب سے بہتر کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے بری باتیں وہ ہیں جو دین میں اپنی طرف سے گھڑی جائیں ہر بدعت گمراہی ہے''۔

اس سے ثابت ہوا کہ جیسے کتاب اللہ ہمیشہ کے لئے سامانِ ہدایت ہے اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت بھی ہمیشہ کے لئے حجتِ شرعیہ ہے نیز یہ کہ اس سیرت وسنت کے منافی جو عقائد واعمال اختیار کئے جائیں وہ

پھران کی مثالیں بیان کی ہیں، بدعتِ واجبہ کی مثال میں علمائے متکلمین کے دلائل کی تدوین اور ملاحدہ وفرقِ باطلہ کا رد، بدعاتِ مندوبہ کی مثال میں کتبِ علوم کی تصنیف وتالیف، مدارس اور سراؤں کا قیام وغیرہ، بدعاتِ مباحہ میں رنگ برنگ کھانوں کا استعمال کرنا ذکر کیا ہے، بدعاتِ محرمہ اور مکروہ کو امام موصوف نے اور ظاہر وواضح قرار دیا ہے، آخر میں فرماتے ہیں: وقد اوضحت المسئلة بادلتها المبسوطة فی تهذيب الاسماء واللغات فاذا عرف ما ذكرته علم ان الحديث من العام المخصوص و كذا ما اشبهه من الاحاديث الواردة ويؤده ما قلنا قول عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى التراويح نعمت البدعة هٰذه ولا يمنع من كون الحديث عاما مخصوصا قوله كل بدعة مؤكدا بكل يدخله التخصيص مع ذٰلک كقوله تدمر كل شيئ (شرح نووی ج۱: ص ۲۸۵ تحت حدیث مذکورہ) ''میں نے اس مسئلہ کو دلائل مبسوطہ کے ساتھ تہذیب الاسماء واللغات میں واضح کردیا ہے، مذکورہ بحث کو سمجھ لینے کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے اور اسی طرح اس کے مشابہ جو حدیثیں بدعات کے بارے میں عام مخصوص البعض ہیں، ہمارے قول کی تائید کیلئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ تراویح کی جماعت کے اہتمام کے بارے میں انہوں نے فرمایا یہ اچھی بدعت ہے۔ یہاں لفظ ''کل'' کا بدعت پر داخل ہونا تخصیص کے منافی نہیں جیسا کہ آیۂ قرآنیہ تدمر كل شيئ میں لفظِ کُلّ کے باوجود تخصیص پائی جاتی ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے امام شاطبی کی الاعتصام ملاحظہ ہو، ۱: ص ۱۴۷۔)

Marfat.com

بدعت وضلالت ہیں۔

۵-رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو گمراہی سے بچنے کا واحد ذریعہ اور ان سے اعتصام کو صحیح معیارِ ہدایت قرار دیا ہے آپ کا مشہور ارشاد ہے:

اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ.[1]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے، ان میں ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے''۔

امام مالک نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے مگر امام حاکم نے سند متصل کیساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے یہ حدیث طویل ہے اس میں یہ الفاظ ہمارے لئے محل استدلال ہیں:

اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَآ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ نَبِیِّہٖ.[2]

امام حاکم نیشاپوری اس روایت کے تمام رواۃ کو متفق علیہ اور ثقہ قرار دیتے ہیں۔

علامہ شمس الدین ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں حضرت ابوہریرہ

---

[1] مؤطا امام مالک، باب النہی عن القول فی القدر، ص ۷۰۲۔ [2] مستدرک حاکم، ج ۱: ۹۳۔

Marfat.com

ﷺ کی حدیث کو بطورِ شاہد پیش کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَی الْحَوْضِ۔[1]

ان روایات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب اللہ کی طرح سنتِ رسول اللہ بھی حجتِ شرعیہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول کا گہرا تعلق ہے کتاب اللہ و سنت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں لہٰذا سنت کے بغیر قرآن پر عمل کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہے۔

۶- رسول خدا ﷺ کو اپنی سنت کس قدر عزیز تھی اس کا اندازہ ترمذی کی اس حدیث سے لگایئے جو حضرت انس ﷺ سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

یَابُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ غَشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یَابُنَیَّ وَذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّةِ۔[2]

"اے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے تو اس حال میں صبح و شام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کھوٹ اور کینہ نہ ہو پھر فرمایا اے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت

---

[1] تلخیص المستدرک، ج۱: ص۹۳۔

[2] جامع ترمذی، ج۲: ص۹۷۔

Marfat.com

کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"۔

اسی طرح امام بیہقی اور ابن عدی نے حضرتِ ابن عساکر کی ایک روایت ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ.

"جس نے میری امت کے فساد کے دور میں میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اسے سو شہید کے برابر اجر ملے گا"۔

صاحبِ مشکوٰۃ نے اسے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ[1] میں ذکر کیا ہے لیکن بیان مخرج کی جگہ بیاض ہے۔

بیہقی اور ابن عدی کی مذکورہ بالا روایت میں حسین بن قتیبہ خزاعی مدائنی کا نام آیا ہے، اگرچہ ابن عدی نے اس کے بارے میں کہا ہے لَابَأْسَ بِهٖ لیکن دار قطنی نے اسے متروک الحدیث، ابو حاتم نے ضعیف الحدیث اور ازدی نے واہی الحدیث کہا ہے، حافظ ابن حجر نے اسے لفظاً لک سے یاد کیا ہے۔[2]

امام منذری کتاب الترغیب والترہیب میں فرماتے ہیں کہ اسے امام طبرانی نے حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی قابل گرفت راوی نہیں البتہ متن میں "مِأَةُ شَهِیْدٍ" کی بجائے صرف "اَجْرُ شَهِیْدٍ" کا لفظ وارد ہے۔[3]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۷۔ [2] لسان المیزان (ابن حجر) ج ۲: ص ۲۴۶، ایضاً میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۱: ۲۴۱۔ [3] الترغیب والترہیب، ج ۱: ص ۸۰۔

Marfat.com

۷-رسولِ اکرم ﷺ کو اپنی سنت کی حفاظت انتہائی مرغوب تھی اس لئے آپ نے من گھڑت روایات بنانے والے گروہ سے دور رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يَكُوْنُ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَ لَااٰبَاؤُكُمْ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَايُضِلُّوْنَكُمْ وَلَايَفْتِنُوْنَكُمْ.[1]

"اخیر زمانے میں دجال وکذاب قسم کے لوگ آئیں گے جو تمہارے پاس ایسی روایتیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے بزرگوں نے تم ان سے دور رہنا اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھنا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں"۔

رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات سے چونکہ شریعت کی عمارت تعمیر ہوتی ہے اس لئے آپ کی طرف کسی روایت کے منسوب کرنے میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد **مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ** (جس نے میری طرف عمداً جھوٹی بات منسوب کی اس نے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنایا) امام نووی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث تقریباً دوسو صحابہ سے مروی ہے یہ ایسی روایت ہے جسے عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہے۔[2]

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم، ص ۱۰۔ [2] نووی شرح مقدمہ مسلم، ص ۸۔

Marfat.com

۸-رسولِ اکرم ﷺ نے جہاں اپنی سنت کی اہمیت کو واضح کیا وہاں ایسے لوگوں سے بھی باخبر کیا جو سنت کا انکار کرنے والے تھے، رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور وحیِ الٰہی سے ایسے لوگوں کے بارے میں پہلے سے پیشگوئی فرمادی جو حجیتِ حدیث کا انکار کریں گے اور اس مقصد کے لئے قرآن کو بطور ڈھال استعمال کریں گے اس بارے میں کثرت سے صحیح حدیثیں وارد ہیں، ہم ان میں سے صرف دو پر اکتفاء کرتے ہیں:

(۱) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَأْتِیْهِ الْاَمْرُ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَیْتُ عَنْهُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ۔[1] (رواه احمد والشافعی وابوداؤد والترمذی وابن ماجة واخرجه الحاکم ایضاً)

''حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے نہ پاؤں اس حال میں کہ اس کے پاس میرا امر یا کوئی نہی پہنچے تو وہ جواباً کہے ''میں اسے نہیں جانتا'' ہم جو کچھ قرآن میں پائیں گے اس کی پیروی کریں گے۔''

مذکورہ حدیث پر اعتراض کا جواب

موجودہ دور کے ایک ''روشن دماغ محقق'' (ڈاکٹر فضل الرحمٰن) نے

---

[1] مسند امام شافعی، ص ۲۰۔ ایضاً ابن ماجہ اوّل حدیث ۱۳۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، ج ۲: ص ۵۰۶۔

Marfat.com

مذکورہ حدیث کو (جسے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے) بعد کے دور کی پیداوار قرار دیا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ حدیث پیشین گوئی پر مشتمل ہے اور اس میں ایک قسم کا تعین پایا جاتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ اس دور میں وضع کی گئی ہے جب تحریکِ حدیث زوروں پر تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ صحابہ میں ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو سنت کا من حیث المجموع انکار کرتا ہو لہٰذا اس قسم کی حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح نہیں۔

ہم نے ان کی تنقید کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ کیا اسے علمی تنقید کہا جا سکتا ہے؟ محقق موصوف سند اور متن کے بارے میں کوئی علمی تنقید نہیں کر سکے، صرف اتنی سی بات کہ اس میں تعین کے ساتھ پیشینگوئی پائی جاتی ہے لہٰذا یہ حدیث مسترد ہے، کیا اس سے زیادہ دیدہ دلیری ہو سکتی ہے۔

ہمارے علماء و محدثین نے تنقیدِ روایت کے ایسے اصول مقرر کئے ہیں جنہیں مغربی مؤرخین بھی اعلیٰ درجہ کے اصول تسلیم کرتے ہیں، ان اصولوں کی روشنی میں کوئی بات کرنے کی بجائے محض ایک مفروضہ اور وہم پر ایک عمارت کھڑی کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ یہ کہنا کہ چونکہ حضورِ اکرم ﷺ کے زمانے میں اس قسم کا کوئی گروہ نہیں تھا جو حدیث کا منکر ہو، اس لئے یہ حدیث بعد کی پیداوار ہے، سراسر غلط ہے، اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ

Marfat.com

پیغمبرِ اقدس ﷺ صرف اپنے سامنے کی تحریکوں اور فتنوں سے آگاہی رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آئندہ زمانے میں پیش آنے والے فتنوں سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

غور فرمایئے صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ جن کا تعلق امورِ مستقبلہ اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے فتنوں سے ہے، اس اصول کی زد میں وہ سارا ذخیرہ موضوع قرار پاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے جب نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت قیامت تک کے لئے ہے تو کیا آپ کی پیغمبرانہ بصیرت اور خداداد فراست صرف اپنی حیاتِ ظاہرہ کے ساتھ مخصوص ہوگی؟ پھر یہ کہنا کہ عہدِ رسالت میں تو کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو سنت کا انکار کرتا ہو، اس بات کا واضح اعتراف ہے کہ صاحبِ موصوف کے نزدیک بھی یہ فتنہ (انکارِ حدیث) بعد کی پیداوار ہے ورنہ رسالت کے پاکیزہ عہد میں ایسا کوئی فرد بھی نہیں تھا جو حضور علیہ السلام کو رسول مانتا ہو لیکن آپ کی حدیث کو حجت نہ مانتا ہو۔

پیشینگوئیوں پر مشتمل احادیث کے بارے میں محدثین نے جو ضابطے مقرر کئے ہیں انہیں محققِ موصوف نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی، محدثین نے صرف ان روایات کے بارے میں ناقابلِ اعتماد ہونے کا قول کیا ہے جن میں پوری طرح تعینِ ماہ وسال کے ساتھ پیشینگوئی کی گئی ہو مثلاً یہ کہ جب فلاں سال اور فلاں ماہ آئے گا تو فلاں واقعہ ظہور پذیر ہوگا، چنانچہ

Marfat.com

حضرت علامہ علی القاری الہروی، حافظ ابن قیم کے حوالے سے موضوع حدیث کی پہچان کے ضابطے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مِنْهَا اَحَادِيْثُ التَّوَارِيْخِ الْمُسْتَقْبَلَةِ وَقَدْ تَقَدَّمَتِ الْاِشَارَةُ اِلَيْهَا وَهُوَ كُلُّ حَدِيْثٍ فِيْهِ اِذَا كَانَتْ سَنَةُ كَذَا وَكَذَا حَلَّ كَذَا وَكَذَا۔[1]

''وہ حدیثیں بھی موضوعات میں شمار ہوں گی جن میں زمانہ مستقبل میں تاریخوں کے تعیین کے ساتھ خبریں دی گئی ہوں ان کی طرف پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے، یہ اس قسم کی حدیثیں ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جب فلاں سن آئے گا فلاں واقعہ ظہور پذیر ہوگا۔''

مثال کے طور پر ایک روایتِ موضوعہ میں ہے جب سن ایک سو پینتیس آئیگا تو وہ شیاطین آزاد ہو جائیں گے جنہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند حضرتِ سلیمان علیہ السلام نے سمندروں میں بند کر دیا تھا، استقراء اور تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے من گھڑت متن والی روایات کے راوی بھی کذاب وناقابل اعتماد ہوتے ہیں، ہم نے حضرت ابو رافع سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں ایسا کوئی راوی نہیں، بڑے بڑے ائمہ محدثین نے اس کی تخریج کی ہے پھر یہ کہ اس میں مہینے اور سال کے تعیین کے بغیر ایک زبردست فتنہ سے آگاہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے یہ چیز منصبِ رسالت کیساتھ بالکل مناسبت رکھتی ہے اگر یہ چیز تشریع اسلامی کی روح کے منافی ہوتی تو

---

[1] الموضوعات الکبیر، ص ۱۴۸۔

Marfat.com

اس قسم کی پیشینگوئیاں قرآن میں نہ پائی جاتیں حالانکہ قرآنِ مجید میں اس قسم کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں مثلاً رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد دوبارہ اہلِ فارس پر غالب آنے کی پیشینگوئی [1] قرآنِ مجید کی کسی سورت کا مقابلہ نہ کر سکنے کی پیشینگوئی [2] یاجوج ماجوج [3] اور خروج دابۃ الارض کی پیشینگوئی [4] مسلمانوں کو زمین پر اقتدار اور خلافتِ کاملہ [5] ملنے کی پیشینگوئی وغیرہ، کیا معاذ اللہ یہ آیات بھی بعد کی پیداوار ہیں؟ آخر تنقید کا کوئی اصول مقرر کرتے وقت کچھ نہ کچھ حقائق کی دنیا سے بھی تعلق رکھنا چاہئے مذکورہ بالا حدیث کی تائید میں بکثرت روایات ہیں، ہم حضرتِ مقدام بن معدیکرب کی ایک روایت پیش کر رہے ہیں جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ترمذی میں بھی الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔

(ب) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَاوَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ. [6]

"رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں خوب یاد رکھو مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور (وحی اور حجتِ شرعیہ ہونے میں) اس کی مثل، قریب ہے کہ کوئی

---

[1] سورۃ الروم، ایت ۱ تا ۴۔ [2] سورۂ بقرہ، ایت ۲۳۔ [3] سورۃ الانبیاء ایت ۹۶۔ [4] سورۃ النمل، ایت ۸۲۔
[5] سورۃ النور، ایت ۵۵۔ [6] ابوداؤد کتاب السنۃ ۲: ص ۵۰، ابن ماجہ حدیث ۱۲، ترمذی (بتغیر) ۲: ص ۹۶۔

Marfat.com

شکم سیر آدمی اپنی مسند پر ٹیک لگا کر یہ کہے کہ تم اسی قرآن کو لازم رکھو، اس میں جو حلال ہوا سے حلال سمجھو اور جو حرام ٹھہرایا گیا ہے اسے حرام جانو"

اس حدیث سے بھی منکرینِ سنت کی اس منطق سے آگاہ کر دیا کہ صرف قرآن کو لازم پکڑو اور اس کی تحلیل و تحریم پر اکتفاء کرو۔

رسولِ اکرم ﷺ نے "وَمِثْلَهُ مَعَهُ" فرما کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ سنت و حدیث بھی حجتِ شرعیہ اور وحیِ الٰہی ہونے میں قرآن کی مثل ہے، قرآن کی طرح سنت بھی حضور علیہ السلام کو خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے لہٰذا ایک کا اقرار اور دوسری کا انکار ظلمِ صریح نہیں تو اور کیا ہے؟

۹- رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے سننِ مقدسہ اور احادیثِ طیبہ کو دوسروں تک پہنچانے اور انہیں یاد رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، یہ تاکید بھی اس امر کی دلیل ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنی سنت کو امت کے لئے حجتِ شرعیہ سمجھتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ وفدِ عبدالقیس حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ نے انہیں چار باتیں بجالانے اور چار باتیں چھوڑ دینے کی نصیحت فرمائی اور آخر میں فرمایا:

اِحْفَظُوْهُ وَاَخْبِرُوْهُ مَنْ وَرَائَكُمْ.

"انہیں یاد رکھو اور اپنے پچھلوں کو خبر دو۔"

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر انتہائی جامع اور بلیغ خطبہ دیتے

---

۱ صحیح بخاری کتاب العلم، ج ۱: ص ۲۲۔

Marfat.com

ہوئے آخر میں ارشاد فرمایا:

اَلاَ لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ یُّبَلِّغُهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَوْعٰی لَهٗ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهٗ.[۲]

''حاضرین میری بات غائبین تک پہنچا دیں، ہوسکتا ہے بعض وہ آدمی جن تک میری بات پہنچائی جائے براہِ راست سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں۔''

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی سنت کی نشر واشاعت کے لئے کس قدر بلیغ انداز میں تاکید فرمائی، اس کا اندازہ حسبِ ذیل حدیث سے ہوسکتا ہے جسے امام شافعی نے اپنی سندِ متصل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت فرمایا ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَیْرُ فَقِیْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَایَغُلُّ عَلَیْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِیْحَةُ لِلْمُسْلِمِیْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِیْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ.[۲]

''رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا خدا اس آدمی کو تر وتازہ رکھے جو میرے

---

۱ صحیح بخاری، ج ۱: ص ۳۷۔ ۲ مسند امام شافعی، کتاب العلم ص ۱۶۔

Marfat.com

الفاظ کو سنے، انہیں یاد کرے، اپنے دل میں محفوظ رکھے اور پھر دوسروں تک پہنچا دے، بہت سے لوگ جو دوسروں تک دین کی بات پہنچاتے ہیں، خود فقیہ نہیں ہوتے (اور بعض اوقات پہنچانے والے خود بھی فقیہ ہوتے ہیں) لیکن جن تک وہ پہنچاتے ہیں ان سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہیں، تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں مسلمان کو کبھی اپنے دل میں تنگی محسوس نہیں کرنی چاہئے اللہ کے لئے خلوصِ دل سے کام کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور جماعتِ مسلمین کے ساتھ وابستہ رہنا کیونکہ ان کی دعوت اسے احاطے میں رکھتی ہے اور گمراہی سے محفوظ رکھتی ہے۔"

حدیثِ مذکور پر بعض معاصرین کی تنقید اور اس کا جواب

اس حدیث پر بھی بعض معاصرین نے تنقید کی ہے کہ یہ حدیث تاریخی حیثیت سے بوجوہِ ذیل مشکوک ہے:

ا- اس حدیث کے پہلے حصے میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ بعد میں آنے والوں کی نسبت صفتِ تفقہ سے محروم تھے، اس میں صحابہ کی توہین پائی جاتی ہے، یہ حدیث صرف اس زمانے میں ظہور پذیر ہو سکتی تھی جب کہ مسلمانوں میں اعلیٰ درجے کی فقہی ذہانت پیدا ہوئی اور عالمِ اسلام میں مصر سے عراق تک فقہی آراء کے بہترین مذاہب نشوونما پانا شروع ہو گئے۔

Marfat.com

۲-یہ حدیث رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا ایک ایسا مرقع پیش کرتی ہے جو سرتا پا مصنوعی ہے، رسول اللہ ﷺ کو یہاں اس طرح کی تقریریں کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جن کا عہدِ رسالت کے مسلمانوں کی فوری ضروریات سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ جن کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ امت انہیں لفظ بہ لفظ محفوظ رکھے تا کہ آئندہ نسلوں تک انہیں منتقل کیا جا سکے کیونکہ وہی ان کے مفہوم کو بہتر طریقہ پر سمجھ سکیں گے۔

مذکورہ بالا تنقید کے بارے میں بھی ہم یہی کہیں گے کہ اس کی بنیاد کسی ٹھوس اصول، داخلی یا خارجی شہادت پر نہیں بلکہ ایک مفروضہ اور فکری واہمہ پر ہے، پہلے سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ حدیث کسی ایسے دور میں وضع کی گئی جب کہ فقہ کا دور دورہ تھا، اس مفروضہ کی بنا پر جھٹ یہ فتویٰ صادر کر دیا گیا کہ یہ تاریخی شہادت کی رو سے صحیح نہیں لیکن وہ تاریخی شہادت پیش نہیں کی گئی۔

اس حدیث کے مشکوک ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ اس میں صحابہ رسول علیہ السلام کی تنقیص وتوہین کا پہلو پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک مغالطہ ہے فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ[1] سے یہ مفہوم اخذ کرنا قطعاً درست نہیں کہ بعد کے لوگ صحابہ سے تفقہ فی الدین میں زیادہ ہوں

---

[1] صحیح بخاری، ج ۲ : ص ۱۰۷۷۔

Marfat.com

گے، اس میں صرف اتنی بات بتائی گئی ہے کہ علم ودانش کی بات پہنچانے والا بعض اوقات کم فقیہ ہوتا ہے اور جس تک اس بات کو پہنچاتا ہے وہ زیادہ سمجھدار ہوتا ہے، خود صحابہ بھی ایک دوسرے تک حدیثیں پہنچاتے تھے، روایۃ الصحابی عن الصحابی (ایک صحابی کی دوسرے صحابی سے روایت) کی بہت سی مثالیں کتبِ حدیث میں ملتی ہیں، کئی صحابہ کرام نے آپس میں باریاں مقرر کر رکھی تھیں وہ باری باری بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور دوسرے ساتھی تک دین کی بات پہنچاتے چنانچہ حضرت عمر اور ان کے انصاری ساتھی کا قصہ صحیح بخاری میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، انہوں نے بھی آپس میں باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک دن ایک صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن جاتے اور دوسرے کو جا کر سناتے، دوسرے روز دوسرے صاحب ایسا کرتے۔

امام شمس الدین ذہبی نے حضرت براء بن عازب انصاری سے روایت کیا ہے[1] کہ ہم نے ساری حدیثیں رسولِ کریم ﷺ سے نہیں سنیں، بعض اوقات دوسرے صحابی بھی ہمیں حضور علیہ السلام کی احادیث سناتے تھے۔

غرضیکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ صحابہ ایک دوسرے تک سنت وحدیث پہنچاتے تھے اور ان میں فقاہت ودانش کے اعتبار سے ضرور فرق

---

[1] تلخیص المستدرک (ذہبی) ج ۱: ۹۵۔

Marfat.com

تھا، خلفاء راشدین ودیگر مجتہدین صحابہ دوسرے صحابہ سے فقاہت ودانش میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ حدیثِ مذکور میں اسی تفاوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے صحابہ کی تنقیصِ شان لازم نہیں آتی البتہ فرقِ مراتب ضرور ثابت ہوتا ہے اور یہ امرِ مسلّم ہے۔

ع۔ گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

اس حدیث کو اس وجہ سے بھی غیر صحیح قرار دیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا کام اس قسم کی تقریریں کرنا اور صحابہ کا کام انہیں یاد کرنا اور دوسروں تک پہنچانا نہیں تھا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ صحابہ کرام کے نزدیک بہترین شغل رسولِ اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کو محفوظ رکھنا تھا، ایک تو اس لئے کہ وہ اپنی زندگیاں رسولِ اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کے سانچے میں ڈھالنا اپنا فرض سمجھتے تھے، دوسرے اس لئے بھی کہ وہ دین کے اولین داعی تھے اور مبلّغ بھی، اور یہ دین کتاب وسنت کی صورت میں انہیں ملا تھا اگر وہ اسے محفوظ نہ کرتے تو یہ دین ہم تک کیسے پہنچتا؟

رہا یہ امر کہ حضور علیہ السلام اس قسم کی تقریریں نہیں کرتے تھے جن میں اپنے اقوال کو یاد کرنے پر زور دیا گیا ہو، یہ بھی محض مفروضہ پر مبنی ہے اس لئے کہ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ سے مقصود حفاظتِ سنت ہے جو دین کا

Marfat.com

اہم جزو ہے، حضور ﷺ اگر اپنے اقوال وافعال کو محفوظ رکھنے کا امر فرمائیں تو اس سے مقصود دین کو محفوظ کرنے کے سوا کچھ نہیں لہٰذا یہ ارشاد مزاجِ رسول علیہ السلام کے منافی نہیں بلکہ سو فیصد عین مطابق ہے۔

غرضیکہ معاصرِ موصوف کی یہ تنقید کوئی وزن نہیں رکھتی جس کی بنا پر اس حدیث کو مجروح یا مطعون قرار دیا جاسکے۔

حدیثِ مذکور کے شواہد

امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب العلم میں تعلیقاً فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے حضرت جبیر بن مطعم سے یہی حدیث قدرے تغیرِ الفاظ سے روایت کی ہے اور شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے [1] اسی طرح سنن ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ روایت حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے [2] البتہ اس میں آخری ٹکڑا (ثَلٰثٌ لَایَغُلُّ عَلَیْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ) مذکور نہیں ہے۔

غرضیکہ اس روایت کی صحت سند اور متن کی رو سے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی سنت کو لاوارث نہیں چھوڑ گئے بلکہ اس کی حفاظت کا ایسا

---

[1] مستدرک حاکم، ج ۱: ص ۸۶۔ [2] سنن ابی داؤد، ج ۲: ۲۸۹۔ جامع ترمذی، ج ۲: ۹۵۔

Marfat.com

بندوبست کر گئے کہ منکرین کے انکار اور محرفین کی تحریف کے باوجود آج تک سنت ایک حقیقت ثابتہ اور حجتِ شرعیہ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اس کی عظمت وشان یونہی برقرار رہے گی۔

دَورِ فتن میں تمسّک بالسّنۃ کی خصوصی تاکید

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ فتنوں کے زمانے میں بدعات سے بچیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی سنت کو اپنائیں، یہی سنت انہیں مرکزیت مہیا کرے گی اور ان کے شیرازہ کو یکجا رکھے گی، سنن ابو داؤد میں حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے:

قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِىْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔[1] (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمُذِىْ

---

[1] سنن ابی داؤد (کتاب السنۃ) ج ۲: ص ۵۰۶۔

Marfat.com

وَابْنُ مَاجَةَ اَیْضًا اِلَّا اَنَّھُمَا لَمْ یَذْکُرَا الصَّلٰوۃَ)

''عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک دن حسبِ معمول نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسی بلیغ نصیحت فرمائی کہ جس سے ہمارے آنسو بہہ نکلے اور دل دہل گئے، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! گویا یہ جدا ہونے والے کی پند و موعظت ہے، براہِ کرم کچھ وصیت فرمایئے، آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں اور حاکم کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں چاہے کوئی حبشی غلام بھی تمہارا حاکم بن جائے، جو شخص میرے بعد زندہ رہا، اُمت میں اختلافِ کثیر دیکھے گا لہٰذا تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو، اسی کو تھامے رہو اور اسے دانتوں میں سختی سے دبائے رہو اور اپنے آپ کو نو پید اامور سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں اختراع شدہ باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [1]

---

[1] ''ہر بدعت گمراہی ہے'' اس قسم کی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں محدثات امور کو بدعت کہا گیا ہے لیکن یاد رہے محدثات سے مراد ہر نئی چیز نہیں ورنہ بہت سے مباح امور بھی بدعت قرار پائیں گے، علامہ قسطلانی شارح بخاری نے بدعت کی تشریح و تقسیم کرتے ہوئے فرمایا ''البدعة كل شيء على غير مثال سبق و في الشرع فليس احداث مالم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فان كان له اصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة قال امامنا الشافعي رحمة الله عليه البدعة بدعتان محمودة ومذمومة فما وافق السنة فهو محمود وماخالفها اخرجه ابونعيم بمعناه من طريق ابراهيم بن الجنيد عن الشافعي وعند البيهقي في مناقب الشافعي انه قال المحدثات ضربان مااحدث مخالفا كتابا او سنة اواثرا اوجماعا فهذه بدعة الضلالة و مااحدث من الخير لايخالف شيئا من ذلك فهذه

Marfat.com

(اس حدیث کوابوداؤد کے علاوہ امامِ احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے البتہ ترمذی اور ابن ماجہ میں خطبہ سے پہلے نماز کا ذکر نہیں)

یہاں پر یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کا بھی ذکر فرمایا، خلفاء راشدین کی سنت کیا چیز ہے؟ یہ سنتِ نبوی سے الگ چیز نہیں کیونکہ خلفاء راشدین نے اسی طریقہ اور راہِ عمل کو اپنایا جو رسولِ اکرم ﷺ نے تجویز فرمایا تھا، بات صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعض سنتیں جو عہدِ رسالت میں زیادہ مشہور نہ ہوئیں، خلفاء راشدین کے دور میں زیادہ مشہور ہو گئیں[1] اور ان پر پوری پابندی سے عمل کیا گیا جیسے تراویح کی جماعت، رسول خدا ﷺ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی تا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے[2] بعد میں فرضیت کا اندیشہ نہ رہا اس لئے

محدثة غير مذمومة" (قسطلانی شرح بخاری ج۱: ص۳۰۲) امام قسطلانی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ نئے امور جو کتاب وسنت یا اثر واجماع کے منافی ومخالف ہوں، بدعتِ ضلالت ہیں اور جو اچھے امور کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں بدعتِ ضلالت نہیں بلکہ بدعتِ محمودہ ہیں، یہی بات علامہ نووی نے شرح مسلم میں کہی ہے۔ ہندوستان کے عظیم محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بدانکہ ہر چیز پیدا شد بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است واز انچہ موافق اصول وقواعدِ سنت است وقیاس کردہ شدہ است برآں آنرا بدعتِ حسنہ گویند وآنچہ مخالف آن باشد بدعتِ ضلالت خوانند و کل بدعة ضلالة محمول برین است"۔ (اشعۃ اللمعات، ج۱: ۱۳۵)

ان اکابر محدثین کے اقوال کی روشنی میں ان تنگ نظر حضرات کے تشدد کی حقیقت کھل جاتی ہے جو بدعت کے دائرے کو وسیع کر کے اہل سنت کے مشائخ کے معمولات کو بھی بدعتِ سیئہ قرار دیتے ہیں اور یونہی ان غلو پسند حضرات کے نظریے کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو ہر بیہودہ رسم ورواج کو بدعت حسنہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلکِ اعتدال پر قائم رکھے، آمین۔

---

[1] لمعات شرح مشکوٰۃ، ج۱: ص۲۳۰۔ [2] صحیح مسلم، ج۱: ص۲۵۹۔

Marfat.com

دورِ فاروقی میں جماعت کا اہتمام کیا گیا۔

اسی طرح بعض ایسے امور بھی تھے جن کے بارے میں صحابہ کو قرآن وسنت سے واضح نص نہ ملی، انہوں نے اجتہاد واستنباط کر کے ایک اصول قائم کیا جس پر سب نے اتفاق کر لیا اور اسے سنتِ خلفاء راشدین کہا جانے لگا، یہ احوال بھی قرآن وسنت سے مستنبط ہوئے تھے، صحابہ کی طرف سے محض قیاسی باتیں نہیں ہوتی تھیں انہیں رسولِ خدا ﷺ نے اپنی سنت کیساتھ لاحق کر دیا، علامہ شاطبی حدیثِ مذکور نقل کر کے لکھتے ہیں۔

فَاَعْطَى الْحَدِيْثُ كَمَا تَرٰى اَنَّ مَاسَنَّهُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ لَاحِقٌ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ [1]

''حدیث نے خلفاءِ راشدین کے مقرر کردہ طریقوں کو سنتِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لاحق کر دیا۔''

لہٰذا سنتِ نبویہ کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کا الحاق صاحبِ وحی علیہ الصلوۃ والسلام کے قولِ مبارک سے ثابت ہے، اس سے انکار ممکن نہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ حکم صرف خلفاءِ راشدین کے لئے نہیں بلکہ ہر دور میں اربابِ اقتدار کو حق پہنچتا ہے کہ وہ مرکزِ ملت کی حیثیت سے جس طرح مناسب سمجھیں، دین میں تبدیلی کر سکتے ہیں، کھلم کھلی جہالت اور تحریف فی الدین ہے، ہم آگے چل کر ثابت کریں گے کہ خلفاء

---

[1] الاعتصام، ج۱: ۱۴۷۔

Marfat.com

راشدین نے سنتِ نبویہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ ہی کبھی اپنی رائے کو سنتِ نبویہ پر ترجیح دی۔

حدیثِ مذکور کے بارے میں ایک شبہ کا ازالہ

چونکہ مذکورہ بالا حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ چاہے حبشی غلام بھی تمہارا امیر بن جائے تم اس کی اطاعت کرو۔ اس سے بعض تجدد پسند محققین (ڈاکٹر فضل الرحمٰن) کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ یہ روایت اور اس قسم کی دوسری روایتیں جن میں حبشی کان کٹے غلام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جمہور اہلِ سنت کے مسلک کے خلاف ہیں کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک امارت کے لئے خاندانِ قریش کے کسی فرد کو منتخب کیا جاسکتا ہے [1] البتہ خوارج اس شرط کے خلاف ہیں لہٰذا یہ روایت محض خروج کی تحریک سے متاثر ہو کر تیار کی گئی ہے اور اہلسنت کی طرف سے خوارج کو اپنے ساتھ ملانے کی ایک عمدہ ترکیب ہے، ہم ان کی دقتِ نظری کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے لیکن کاش یہ دقتِ نظر دین فہمی کے لئے ہوتی اور غلطِ فہمیوں کے پھیلانے کے لئے نہ ہوتی۔

ع اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی

یہ اندازِ فکر مستشرقین سے مستعار لیا گیا ہے، اس اندازِ فکر کی رو سے محدثین کے اصولِ تنقید پر پرکھی ہوئی روایات کو محض ذہنی مفروضوں کی بنا پر چٹکیوں سے اڑا دیا جاتا ہے اور محدثین کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمی

---

[1] شرح عقائد، ص ۱۱۲۔

Marfat.com

پھیلائی جاتی ہے کہ انہوں نے حالات سے متأثر ہوکر یہ روایت تیار کی تھی (معاذ اللہ) مستند کتبِ تاریخ سے محدثینِ کرام کی دیانت وامانت اور حدیث رسول علیہ السلام کے بارے میں ان کی انتہائی شدید ورع واحتیاط کا اندازہ لگایئے اور پھر ان روشن دماغ، محققین کی غلط فہمیوں بلکہ بدگمانیوں کا جائزہ لیجئے تو حقیقت منکشف ہوجائے گی۔

مذکورہ روایت کے بارے میں دو جواب قابل غور ہیں، ایک تو یہ کہ اس حدیث میں حبشی غلام کا ذکر بطورِ مبالغہ ہے [1] کہ اگر بالفرض حبشی غلام بھی تمہارا امیر بن جائے یا یہ کہ خلیفہ وقت اسے کسی علاقے کا حاکم بنادے تو تم اس کی اطاعت کرو۔ یاد رہے قرشی ہونا خلیفہ وامام کے لئے ضروری ہے نہ یہ کہ ہر حاکم کے لئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ، کا مفہوم یہ ہے کہ انتخاب کی صورت میں تمام لازمی اوصافِ امامت سے متصف خاندانِ قریش کے فرد کو منتخب کیا جائے لیکن اگر بصورت تسلط وتغلب کوئی حبشی غلام بھی تختِ امامت پر متمکن ہوجائے تو مرکزیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور مسلمانوں کی صفوں کو انتشار سے بچانے کے لئے جائز امور میں اس کی اطاعت کی جائے۔

غور کرنے سے واضح ہوگا کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں

---

[1] لمعات، ج ۱ :۲۳۰۔

Marfat.com

اور نہ ہی ان میں مسلکِ اہل سنت سے انحراف اور خوارج کی تائید حاصل کرنے کا کوئی پہلو پایا جاتا ہے۔ یہ حدیث صحیح اس وقت سے روایت ہوتی چلی آرہی ہے جبکہ خارجیت کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس حدیث کو بعد کے دور کی پیداوار قرار دینا صرف انہی لوگوں کا نظریہ ہے جن کے اپنے خیالات پورپی دنیا کی پیداوار ہیں اور جن کے نزدیک غیر اسلامی مفکرین گولڈز ہر اور مسٹر شاخت کے علمی کارنامے، تو خلوصِ نیت پر مبنی ہیں مگر اکابر محدثین کی علمی کاوشیں عجمی سازش کا نتیجہ ہیں۔ ع

بریں عقل ودانش بباید گریست

عہدِ رسالت میں حدودِ مشاورت

عہدِ حاضر کے تجدد پسند عناصر یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے عہدِ رسالت میں بھی اہم امور کا فیصلہ صحابہ کے مشورے سے کرتے تھے، ارشادِ خداوندی بھی یہی تھا کہ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، سورۂ ال عمران، ایت ۱۵۹۔ (آپ ان سے اہم امور میں مشورہ کر لیا کریں) رسولِ خدا ﷺ نے بھی اس ارشاد پر عمل کیا، آپ کے بعد بھی یہی سلسلہ جاری رہا لہٰذا اب بھی مجلس مشاورت اور پارلیمنٹ کے اراکین کو حق پہنچتا ہے کہ وہ دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق کتاب وسنت کی جدید تعبیر وتشریح کریں تا کہ ایک طرف اسلام کی جمہوریت نوازی کا ثبوت مل جائے اور دوسری

Marfat.com

طرف سنتِ نبویہ میں حرکت وارتقاء کا سلسلہ پیدا ہو اور جمود ٹوٹ جائے۔ اس بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہونے کی بجائے ٹھوس حقائق کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان تمام امور میں جن کا تعلق آئین سازی سے تھا یا قرآنی آئین کی تشریح سے، رسولِ اکرم ﷺ نے کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا بلکہ محض ربانی ہدایات کے مطابق کام کیا۔ آپ کو ایسی کوئی روایت نہ ملے گی کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کسی قرآنی قانون کے بارے میں صحابہ سے پوچھا ہو کہ اس کی کیا تشریح کی جائے یا عبادات ومعاملات میں صحابہ سے مشورہ لیا ہو۔ اگر حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی نے اس قسم کے امور میں اپنی رائے پیش کی (جیسا کہ روایات سے پتا چلتا ہے کہ پردے کے بارے میں اور مقامِ ابراہیم کو مصلّٰی (دوگانہ طواف پڑھنے کی جگہ) بنانے کے بارے میں حضرتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پیش کی تو رسولِ خدا ﷺ نے وحی کا انتظار کیا، وحیِ آسمانی نے فاروقی رائے کی موافقت [1] کی تو ان دونوں باتوں کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

کچھ حضرات کہتے ہیں اذان تو امورِ شرعیہ سے ہے اور اس کی موجودہ ہیئت صحابہ کے مشورہ سے طے ہوئی تھی لہٰذا امورِ شرعیہ میں مشورہ ثابت ہو گیا مگر یہ بھی ان کی خوش فہمی ہے۔ اذان کے بارے میں ابو داؤد

---

[1] صحیح مسلم، ج ۲: ص ۲۷۶۔

Marfat.com

وترمذی ودیگر کتبِ حدیث میں جو روایات ملتی ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے کہ کچھ لوگ جماعت کی خبر دینے کے لئے ناقوس بجانے کا مشورہ دیتے تھے کچھ آگ جلانے کا، ابھی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری نے آکر خواب سنائی کہ میں نے عالم رؤیا میں ایک شخص کو ناقوس لے کر جاتے ہوئے دیکھا، میں نے پوچھا کیا تم اسے بیچو گے؟ اس نے کہا تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس نے کہا تمہیں اس سے بہتر طریقہ بتاؤں؟ چنانچہ اس نے کھڑے ہو کر اذان کے موجودہ کلمات سنا دیئے۔ صحابی نے صبح کو رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب سنائی تو آپ نے فرمایا اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ[1] (یہ سچا خواب ہے) تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، اُسے کلمات سناتے جاؤ اور وہ اونچی آواز سے کہتا جائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اذان سنی تو جلدی سے چادر گھسیٹتے ہوئے پہنچے اور حلفیہ بیان کیا کہ میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ اس پر رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (پس خدا کے لئے ساری حمد ہے)

ان احادیث سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اذان مشورے سے نہیں بلکہ رؤیائے حق سے معرضِ وجود میں آئی۔ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ اذان میں صرف صحابی کے خواب پر عمل نہیں کیا گیا بلکہ حضورِ اکرم ﷺ کو وحی

---

[1] سنن ابی داؤد، ج ۱: ۷۲۔

Marfat.com

ہوئی تھی یا آپ نے اجتہاد سے ایسا کیا تھا[1] ابوداؤد کے حاشیے میں ہے۔

اِنَّ عُمَرَ لَمَّا رَأٰی ذٰلِکَ الْاَذَانَ فِی الْمَنَامِ جَاءَ لِیُخْبِرَ النَّبِیَّ ﷺ فَوَجَدَ الْوَحْیَ قَدْ وَرَدَ بِذٰلِکَ. [2]

''حضرت عمر نے خواب میں اذان کی کیفیت معلوم کی، حضورِ اکرم ﷺ کو خبر دینے کے لئے حاضر ہوئے تو اس سے پہلے اذان کے بارے میں وحی آچکی تھی۔''

ان روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل غلط ثابت ہوئی کہ اذان صحابہ کی مجلسِ شوریٰ نے تجویز کی تھی، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اذان کا موجودہ طریقہ الہام یا وحیِ خفی سے طے ہوا، البتہ یہ بات مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام تدابیر کے بارے میں اور جنگ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور قرآن کی مذکورہ آیت (شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ) سے بھی یہی مراد ہے لیکن تدابیر جنگ وغیرہ کے بارے میں حضور علیہ السلام جو مشورہ لیتے تھے اس کے آپ پابند نہ تھے، اگر آپ کسی امر کا عزم فرمالیتے تو خدا پر توکل کر کے اسے کر گزرتے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں رسولِ اکرم ﷺ کی مشاورت پر باب قائم کیا ہے جس کی افادیت واہمیت کے تقاضے کی بنا پر ہم اسے بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی

---

[1] نووی شرح مسلم، ج ۱ : ص ۱۶۴۔ [2] حاشیہ سنن ابی داؤد ج ۱: ص ۷۲۔

Marfat.com

الْاَمْرِ وَاَنَّ الْمُشَاوَرَةَ قَبْلَ الْعَزْمِ وَالتَّبْيِيْنِ لِقَوْلِهٖ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِذَا عَزَمَ الرَّسُوْلُ لَمْ يَكُنْ بشر التقدم عَلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَشَاوَرَ النَّبِيُّ ﷺ اَصْحَابَهٗ يَوْمَ اُحُدٍ فِى الْمَقَامِ وَالْخُرُوْجِ فَرَأَوْا لَهُ الْخُرُوْجَ فَلَمَّا لَبِسَ لَأْمَتَهٗ وَعَزَمَ قَالُوْا اَقِمْ فَلَمْ يَمِلْ اِلَيْهِمْ بَعْدَ الْعَزْمِ وَقَالَ لَاينْبَغِىْ يَلْبَسُ لَأْمَتَهٗ فَيَضَعُهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَشَاوَرَ عَلِيًّا وَاُسَامَةَ فِيْمَا رَمٰى بِهٖ اَهْلُ الْاِفْكِ عَائِشَةَ فَسَمِعَ مِنْهُمَا حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَجَلَدَ الرَّامِيْنَ وَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى تَنَازُعِهِمْ وَلٰكِنْ حَكَمَ بِمَا اَمَرَ اللّٰهُ وَكَانَتِ الْاُمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَشِيْرُوْنَ الْاُمَنَاءَ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فِى الْاُمُوْرِ الْمُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوْا بِاَسْهَلِهَا فَاِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ اِقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ ﷺ (الحديث) [1]

''قرآنِ مجید نے امت کے لئے یہ قانون طے کیا ہے کہ ان کے معاملات باہمی مشوروں سے ہوں اور رسولِ اکرم علیہ السلام کے لئے بھی مشورہ کرنے کا حکم موجود ہے لیکن مشورے کا حکم عزمِ رسول علیہ السلام سے پہلے کا ہے، جب رسول علیہ السلام عزم کر لیں یا خدا کی صاف وحی آجائے تو اب مشورے کا لحاظ کچھ بھی نہیں بلکہ اب اس کے خلاف مشورہ دینا خدا اور رسول کے مقابلے میں پیش دستی کرنا سمجھا جائیگا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد

---

[1] صحیح بخاری شریف، ج۱ :۱۳۸۔

Marfat.com

میں جنگ کرنے کے لئے صحابہ کرام سے مشورہ لیا لیکن جب آپ نے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور ہتھیار پہن لئے تو کچھ لوگوں نے شہر میں رہنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے اس پر عمل نہ کیا اور فرمایا یہ بات نبی کی شان سے بعید ہے کہ جب ایک مرتبہ ہتھیار پہن لے تو خدا کے حکم کے بغیر انہیں اتار دے، اسی طرح حضرتِ عائشہ کے واقعہ افک میں بھی آپ نے حضرت علی اور حضرتِ اسامہ سے مشورہ کیا لیکن جب قرآن نازل ہوگیا (اور مسئلہ براءت واضح ہوگیا) تو آپ نے ان کی رائے کی طرف توجہ نہ دی اور قرآن کے مطابق بہتان تراشی کرنے والوں کو حدِ قذف لگانے کا حکم دیا، یہی دستور آپ کے بعد خلفاء راشدین کا تھا وہ بھی امت کے امین اور اہل رائے لوگوں سے امورِ مباحہ کے بارے میں مشورہ لیتے تاکہ ان میں نسبتاً آسان امر کو اختیار کیا جائے لیکن جب کتاب وسنت سے کوئی مسئلہ واضح ہو کر سامنے آجاتا تو حضور علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے اس سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرتے۔"

ائمہ مسلمین کا جو دستور امامِ بخاری نے ذکر کیا ہے اسے علامہ شاطبی نے بھی الاعتصام میں نقل کیا ہے [1] امامِ بخاری کی عبارت کی روشنی میں مشاورت کے حدود متعین ہوجاتے ہیں اور حسبِ ذیل نکات کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

(۱) رسولِ اکرم ﷺ کا مشورہ عزمِ راسخ سے پہلے ہوتا جب آپ عزمِ

---

[1] الاعتصام، ج ۱: ۳۴۔

Marfat.com

راسخ فرماتے تو پھر کسی کے مشورے سے اس میں تبدیلی نہیں کرتے تھے۔

(۲) رسولِ اکرم ﷺ امورِ شرعیہ میں وحی کا انتظار فرماتے تھے اپنے علم یا مشورۂ صحابہ کی بنا پر قطعی فیصلہ نہیں فرماتے تھے، مثال کے طور پر حضرتِ عائشہ کی برأت پختہ طور پر آپ کے علم میں تھی اس لئے آپ نے فرمایا تھا وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ مِنْ سُوْءٍ [1] اسی طرح صحابہ کرام میں سے اہلِ رائے حضرات نے بھی برأت بیان کی، اس کا مقتضٰی یہ تھا کہ الزام تراشی کرنے والوں کو سزا دی جاتی مگر رسولِ اکرم ﷺ نزول وحی کے انتظار میں رہے، جب سورۂ نور کی آیات اترین تو آپ نے حضرتِ عائشہ کی برأت کے قطعی فیصلے کے ساتھ قذف کرنے والوں کو حد بھی لگائی۔

(۳) امام بخاری اور علامہ شاطبی کی تصریح کے مطابق ائمہ مسلمین کا مشورہ صرف اربابِ امانت اور اصحابِ علم سے ہوتا تھا۔

(۴) یہ مشورہ احکامِ شرعیہ یا دستور اسلامی میں ترمیم کے لئے نہیں بلکہ مباح امور میں سے نسبتاً کسی زیادہ آسان امر کو اختیار کرنے کے بارے میں ہوتا تھا۔

(۵) کتاب وسنت کی واضح ہدایات سے ائمہ مسلمین قطعاً تجاوز نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی ایسی رائے کو اہمیت دیتے تھے جو کتاب وسنت سے متصادم ہو۔

---

[1] جامع ترمذی، ج ۲ : ص ۱۷۰۔

Marfat.com

(۶) ائمہ مسلمین کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ وہ قرآن کے ساتھ سنت نبوی کو بھی اپنے دستور کا بنیادی سرچشمہ سمجھتے تھے اور یہی بات مسلمانوں کے تعامل سے ثابت ہے۔

اب ہم اگلے باب میں تاریخی شواہد سے ثابت کردیں گے کہ خلفاء راشدین کی نظر میں سنتِ نبوی کا کیا مقام تھا، اس سے ہمارا مقصود ان تجدد پسند حضرت کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام کی احادیث کی حیثیت محض وقتی اور ہنگامی نوعیت کی تھی اور وہ حالات کے مطابق سننِ نبویہ میں ترمیم وتنسیخ کرتے رہتے تھے۔ ہم انشاء اللہ ٹھوس تاریخی حقائق کی روشنی میں ان شبہات کی تردید کریں گے، ممکن ہے کچھ انصاف پسند طبائع ان تاریخی حقائق کی روشنی میں اپنے نظریے پر نظر ثانی کریں اور کم از کم ان نفوسِ قدسیہ پر بہتان تراشی نہ کریں جنہوں نے اتباعِ سنت کو اپنا نصب العین بنا رکھا تھا اور جن کی شیفتگی ووارفتگی کا یہ عالم تھا کہ سنتِ تشریعیہ تو بجائے خود افعالِ طبعیہ میں بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی کرتے تھے۔

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار تا کمندِ تو شود یزداں شکار

سنتِ رسول علیہ السلام کا مقام خلفاء راشدین کی نظر میں

صدیقِ اکبر کا پہلا تاریخی خطبہ

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد سب سے

Marfat.com

پہلے جو خطبہ دیا تھا وہ یہ ہے:

اَمَّا بَعْدُ یَآاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ وُلِّیْتُ اَمْرَکُمْ وَلَسْتُ بِخَیْرِکُمْ وَلٰکِنْ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ وَسَنَّ النَّبِیُّ ﷺ السُّنَنَ فَعَلَّمَنَا فَعَلِمْنَا اِعْلَمُوْا اَنَّ اَکْیَسَ الْکِیْسِ التَّقْوٰی وَاَنَّ اَحْمَقَ الْحُمْقِ الْفُجُوْرُ وَاَنَّ اَقْوِیٰکُمْ عِنْدِی الضَّعِیْفُ حَتّٰی اٰخُذَ مِنْهُ الْحَقَّ وَاَنَّ اَضْعَفَکُمْ عِنْدِی الْقَوِیُّ حَتّٰی اٰخُذَ لَهٗ بِحَقِّهٖ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ فَاِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِیْنُوْنِیْ وَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ۔[1]

(حمد وثنا کے بعد فرمایا) لوگو! مجھے تمہارا حاکم بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سب سے اچھا نہیں ہوں لیکن قرآن مجید نازل ہوا اور حضور علیہ السلام نے سنن مقرر فرمائے، آپ نے ان کی تعلیم دی اور ہم نے ان کو سیکھا، یقین رکھئے سب سے بہترین دانش مندی تقویٰ میں ہے اور سب سے بڑی حماقت نافرمانی میں ہے تم میں قوی ترین میرے نزدیک کمزور ترین ہے یہاں تک کہ میں اس سے وہ حق وصول کرلوں جو اس نے غصب کر رکھا ہے اور تم میں کمزور ترین میرے نزدیک سب سے قوی ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کا حق دلا دوں، یاد رکھو میں نقشِ قدم پر چلنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری امداد کرتے رہنا اور جب ٹیڑھا ہونے لگوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۳: ص ۱۸۲۔ اعلام الموقعین، ج ۱: ص ۵۴۔

Marfat.com

کس قدر ایمان افروز اور بلیغ خطبہ ہے! دستورِ مملکت کے بنیادی اصول اور خلافت کے منشور کو کس کمال خوبی اور جامعیت سے بیان کیا ہے، ان الفاظ پر دوبارہ غور کیجئے اِنَّمَا اَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ، بصیرت صدیقی نے کس طرح اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ خلیفہ فقط سنتِ نبویہ کا پیروکار ہوتا ہے وہ آپ کی مقرر کردہ راہ سے ایک انچ ادھر یا اُدھر نہیں ہٹ سکتا، جو لوگ مرکزِ ملت کا یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ مرکزِ ملت ہی مطاعِ مطلق ہوتا اور اس کی اطاعت ہی رسول علیہ السلام کی اطاعت ہوتی ہے، وہ ذرا اسلام کے پہلے فرمانروا اور خلیفہ راشد کے خطبہ پر غور کریں، اس خطبے کے الفاظ ان کے نام نہاد تصورِ مرکزِ ملت، کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں اور اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کا فرمانروا سنتِ رسول علیہ السلام کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے اسے سنت میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کا کوئی حق نہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کا انداز

حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کس طرح فیصلے کیا کرتے تھے اور حلِ مشکلات میں ان کا طریقِ کار کیا تھا؟ اس بارے میں اس عہد کے قریب ترین لوگوں (تابعین کرام) کا بیان سنئے مشہور تابعی محدث امام ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَبَا بَکْرٍ نَزَلَتْ بِهٖ قَضِیَّةٌ فَلَمْ یَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اَصْلًا

Marfat.com

وَلا فِی السُّنَّةِ اَثَرًا اِجْتَهَدَ بِرَأْيِهٖ.[1]

اسی طرح میمون بن مہران کا بیان ہے:

کَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اِذَا وَرَدَ عَلَيْهِ خَصْمٌ نَظَرَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَجَدَ فِيْهِ مَا يَقْضِیْ قَضٰى بِهٖ بَيْنَهُمْ وَاِنْ لَمْ يَجِدْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ نَظَرَ هَلْ كَانَتْ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ فِيْهِ سُنَّةٌ فَاِنْ عَلِمَهَا قَضٰى بِهَا فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَخَرَجَ يَسْأَلُ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ اَتَانِیْ كَذَا وَكَذَا فَنَظَرْتُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ وَفِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ اَجِدْ فِیْ ذٰلِكَ شَيْئاً فَهَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَضٰى فِیْ ذٰلِكَ بِقَضَاءٍ فَرُبَمَا قَامَ اِلَيْهِ الرَّهْطُ فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَضٰى فِيْهِ بِكَذَا وَكَذَا فَيَأْخُذُ بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عِنْدَ ذٰلِكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِيْنَا مَنْ يَحْفَظُ عَنْ نَبِيِّنَا وَاِنْ اَعْيَاهُ ذٰلِكَ دَعَا رُؤُسَ الْمُسْلِمِيْنَ وَعُلَمَائِهِمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلَى الْاَمْرِ قَضٰى[2]

''حضرت ابوبکر کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا تو اولاً کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے، وہاں نہ ملتا تو سنتِ رسول اللہ ﷺ میں غور کرتے، وہاں سے اگر معلوم ہوتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر سنت میں بھی آپ کو اس کا حل نہ ملتا تو پھر مجلسِ شوریٰ سے پوچھتے کہ میرے پاس فلاں معاملہ فیصلہ ہونے کے لئے آیا ہے، میں نے کتاب وسنت میں

---

[1] اعلام الموقعین، ج ۱،ص ۵۴۔ [2] کنز العمال، ۸،ص ۳۲۸۔ ازالۃ الخفاء، ج ۳،ص ۳۱۔ تاریخ الخلفاء، ص ۳۳۔

Marfat.com

غور کیا ہے لیکن اس کا حل نہیں ملا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بارے میں کوئی فیصلہ فرمایا ہے؟ اس پر بعض اوقات کچھ لوگ بتا دیتے کہ ہاں اس معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح فیصلہ فرمایا تھا، آپ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو لے لیتے اور یہ کہتے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات یاد ہیں، اگر اس معاملے میں کوئی صورت نظر نہ آتی تو سر کردہ مسلمانوں اور علماء کو بلا کر مشورہ فرماتے، جب وہ کسی امر کے متعلق اجتماعی طور پر رائے دے دیتے تو آپ اسی طرح فیصلہ کر دیتے۔"

(۱) اولاً خود کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں کسی مسئلے کا حل تلاش کرتے جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ سنتِ رسول علیہ السلام کو حجتِ شرعیہ سمجھتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی اس پر عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

(۲) ثانیاً دوسروں سے پوچھتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خود علم نہ ہو اور دوسروں سے سنتِ نبوی کا پتا چل جائے تو بھی اس کی اتباع ضروری ہے جس طرح خود سننے کی صورت میں عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

(۳) ثالثاً یہ کہ کتاب وسنت سے حل نہ ملنے کی صورت میں اہلِ حل وعقد اور علماء کرام کو جمع کر کے اجتہاد کے ذریعے اس مسئلے کا حل تلاش کیا جاتا، اس اجتہاد کا ماٰخذ بھی کتاب وسنت کے سوا کچھ نہ تھا، اس سے ثابت

Marfat.com

ہوگیا کہ صحابہ کرام کسی مسئلہ کے حل کے لئے بھی چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، سنتِ رسول سے سرِ مو انحراف نہیں کرتے تھے۔

حافظ ابنِ قیم نے پوری تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

لَایَحْفَظُ لِلصِّدِّیْقِ خِلَافُ نَصٍّ وَاحِدٍ اَبَدًا۔ [1]

''حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی ایک نص کی مخالفت بھی ثابت نہیں ہوسکی۔''

دورِ صدیقی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دادی پوتے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئی جس کی ماں مر چکی تھی، حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں کتاب اللہ میں کوئی ایسا حکم نہیں پاتا جس کی رو سے تجھے ماں کا حصہ پہنچتا ہو، پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے تو اس معاملے میں کوئی حکم نہیں دیا اس پر مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن سلمہ نے شہادت دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دادی کو ایسی صورت میں چھٹا حصہ دیا ہے چنانچہ حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتِ نبوی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ [2]

حدِّ اطاعتِ خلیفہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیعت کے دوسرے دن ہی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

---

[1] اعلام الموقعین، ج ۴: ص ۱۲۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱: ص ۳۔

Marfat.com

اَطِیْعُوْنِیْ مَااَطَعْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِذَاعَصَیْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلَاطَاعَۃَ لِیْ عَلَیْکُمْ۔[1]

''تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری نہ کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں ہے۔''

اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت کے لئے دائرۂ اطاعت مقرر فرمادیا اور سب پر واضح کر دیا کہ اصل مطاع اللہ و رسول ہی ہیں، سربراہِ مملکت کی اطاعت اسی دائرے کے اندر رہ کر کی جاسکتی ہے اور اس سے انحراف کی صورت میں اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی جاسکتی۔

لشکرِ اسامہ کی روانگی

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں لشکر بھیجنے کا فیصلہ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے وصال سے پہلے فرمادیا تھا، آپ کے وصال کے بعد فتنہء ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی، اس وقت خانہ جنگی کا شدید خطرہ تھا، حالات کے رخ اور مصلحتِ وقت کا تقاضا تھا کہ اس لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دیا جاتا چنانچہ حضرت عمر و دیگر صحابہ نے رائے بھی دی اور ان خطرات کی طرف توجہ بھی دلائی جو اس وقت درپیش تھے مگر اتباعِ

---

[1] انساب الاشراف، ج۱: ص۵۹۱۔ تاریخ الخلفاء، ص۵۱۔ الکامل (ابن اثیر) ج۲: ۲۲۵۔

Marfat.com

سنت کے اس عظیم پیکر نے جواب دیا:

لَوْ خَطَفَتْنِیَ الْکِلَابُ وَالذِّئَابُ لَمْ اَرُدَّ قَضَاءً قَضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔[1]

"چاہے کتے اور بھیڑیئے بھی ہمیں اچک لے جائیں تو میں اس فیصلے کو نہ بدلوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کر دیا تھا۔"

حضرتِ عمر بن خطاب نے خواہش ظاہر کی کہ کم از کم نوجوان اسامہ کو قیادت سے الگ کر دیں کیونکہ سن رسیدہ اکابر صحابہ کو ان کی قیادت میں جانا پسند نہیں، اس پر حضرتِ صدیق اکبر جلال میں آ گئے اور فرمایا:

ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَاُؤْمِرُ غَیْرَ اَمِیْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔[2]

"خطاب کے بیٹے! تیری ماں تجھے روئے اور کھو دے کیا رسولِ اکرم ﷺ کے مقرر کردہ امیر کو چھوڑ کر کسی اور کو امیر بناؤں؟"

غرضیکہ حضرتِ صدیق اکبر نے ایسے نازک موقع پر بھی اتباعِ سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

جُرمِ عشق

کون نہیں جانتا کہ حضرتِ صدیق اکبر نے حضرتِ فاطمۃ الزہراء کو

---

[1] الکامل، ج ۲: ص ۲۲۶۔ [2] البدایۃ النہایۃ، ج ۶: ص ۳۰۵

Marfat.com

میراث دینے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ انہیں رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد یاد تھا کہ انبیاء کے ترکہ میں وراثت نہیں چلتی۔ آپ نے اس موقف سے ہٹنا گوارا نہ کیا، [1] حضرتِ فاطمۃ الزہراء اور خاندانِ اہلِ بیت کے دیگر افراد تو سمجھ گئے لیکن بعض 'محبان اہلِ بیت آج تک نہیں سمجھے اور صدیقِ اکبر کو اتباعِ سنت کے 'جرم' میں سب وشتم کئے جا رہے ہیں۔

خدا گواہ کہ گر جرمِ ما ہمیں عشق است
گناہِ گبر و مسلماں بجرمِ ما بخشند

---

[1] حدیث لانورث ماترکناہ صدقة بخاری و مسلم میں موجود ہے، علمائے شیعہ کی مستند کتاب الکافی میں امام جعفر صادق سے مروی ہے ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما انما ورثوا العلم، اس سے بھی علماء اہل سنت کی تائید ہوتی ہے، بعض حضرات محدثین کا کہنا ہے کہ حضرت سیدۃ النساء و دیگر افرادِ اہل بیت ماترکنا کو عام مخصوص البعض سمجھتے تھے جبکہ صدیق اکبر اسے عموم پر رکھتے تھے ان کا موقف یہی تھا کہ اموالِ فدک وغیرہ میں بعینہ وہی طریقہ کار رکھا جائے جسے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا، یہ صحیح ہے کہ بخاری و مسلم میں فلم تکلم کے الفاظ مروی ہیں جس سے حضرت سیدہ کی ناراضگی اور ترک مفہوم ہوتا ہے مگر یہ نہ تو حضرت عائشہ کے الفاظ ہیں اور نہ بی بی فاطمہ کے، ہوسکتا ہے جناب عروہ یا کسی اور راوی کا تأثر ہو۔ علماء اہل سنت و علماء شیعہ کی کتابوں سے حضرت صدیق اکبر کا حضرت سیدہ کے گھر جانا اور انہیں راضی کرنا ثابت ہے، اہل سنت کی کتب مدارج النبوۃ، کتاب الوفاء بیہقی میں حضرت صدیق اکبر کا جا کر سیدہ کو راضی کرنا ثابت کیا گیا ہے، اسی طرح شیعہ امامیہ میں صاحب معراج السالکین کی روایت ہے: فرضیت بذلک (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۷۹)

اس مقام پر ہمارا مقصود اس نزاعی بحث کو طول دینا نہیں بلکہ صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجود بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر قائم رہے۔ ۱۲

Marfat.com

مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

اس تاریخی حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جب حضرتِ صدیق اکبر نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ آپ قتال کیوں کرتے ہیں جبکہ وہ خدا کی توحید اور آنحضرت کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں، اس پر حضرت صدیقِ اکبر نے جواب دیا:

وَاللّٰہِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِنَاقًا (وَفِیْ رِوَایَۃٍ عِقَالًا) کَانُوْا یُؤَدُّوْنَھَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَقَاتَلْتُھُمْ۔[1]

"خدا کی قسم اگر وہ بھیڑ کا بچہ یا اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جسے وہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔"

یہ ہے حضرت صدیقِ اکبر کا قول وفعل جو انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے خلیفہ اوّل ہونے کی حیثیت سے پیش کیا، اسے بھی سامنے رکھیئے اور پھر منکرین سنت کے اس دعویٰ کا بھی جائزہ لیجئے کہ معاذ اللہ خلفاء راشدین اپنے آپ کو رسولِ اکرم ﷺ کے فیصلوں کو بدلنے کا مجاز سمجھتے تھے، یہ ان نفوسِ قدسیہ پر بہتان تراشی نہیں تو اور کیا ہے؟

آیئے اب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقِ کار

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج ۶: ص ۳۱۱۔

Marfat.com

پر تھوڑی سی نظر ڈالیں۔

۱- میمون بن مہران بیان کرتے ہیں:

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یَفْعَلُ ذٰلِکَ فَاِنْ اَعْیَاهُ اَنْ یَجِدَ فِی الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ نَظَرَ هَلْ کَانَ لِاَبِیْ بَکْرٍ فِیْهِ قَضَاءٌ فَاِنْ وَجَدَ اَبَا بَکْرٍ قَدْ قَضٰی فِیْهِ بِقَضَاءٍ قَضٰی بِهٖ وَاِلَّا دَعَا رُؤُسَ الْمُسْلِمِیْنَ وَعُلَمَائَهُمْ وَاسْتَشَارَهُمْ فَاِذَا اجْتَمَعُوْا عَلَی الْاَمْرِ قَضٰی بَیْنَهُمْ۔ [1]

حضرتِ فاروق اعظم بھی صدیقِ اکبر کی طرح اولاً کتاب وسنت میں مسئلے کا حل تلاش کرتے، اگر اس میں اپنے آپ کو عاجز پاتے تو پھر عہد ابو بکر کے فیصلے کو پیشِ نظر رکھتے، اگر انہیں اس بارے میں عہدِ صدیقی کا کوئی فیصلہ نہ ملتا تو سرکردہ مسلمانوں اور علماء صحابہ کو بلاتے اور ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ کسی امر پر متفق ہوجاتے تو اسی کے مطابق فیصلہ کردیتے۔

دیکھئے فاروقِ اعظم ﷺ نے کس طرح سنتِ نبوی کو اپنے لئے نصب العین بنایا تھا، حضرت عمر کا دورِ صدیقی کے فیصلوں کو پیش نظر رکھنا بھی اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ کتاب وسنت کی پیروی کے ساتھ ساتھ اپنے پیش رو کے فیصلوں کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے اس لئے کہ ان کا ماٴخذ بھی کتاب وسنت کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے وہ بھی شرعی اعتبار سے سند

---

[1] کنز العمال، ج ۵: ص ۳۴۸۔ ازالۃ الخفاء، ج ۲: ص ۳۱۔

Marfat.com

کی حیثیت رکھتے تھے۔

۲- جو لوگ اتباعِ سنت کو عبادات تک محدود سمجھتے ہیں انہیں چاہیے کہ حسبِ ذیل واقعہ پر غور کریں جس کا تعلق معاشی نظام سے ہے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت شیبہ بن عثمان کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک بار فاروق اعظم نے کہا میں تہیہ کر چکا ہوں کہ کعبہ کے ہدایا وتحائف کے طور پر جو زر و مال موجود ہے، اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں گا، شیبہ نے کہا آپ ایسا نہیں کر سکتے، حضرت عمر نے وجہ پوچھی شیبہ نے عرض کیا آپ کے دونوں پیش رووں (صدیقِ اکبر اور رسولِ خدا ﷺ) نے ایسا نہیں کیا۔ اس پر حضرتِ عمر نے تائید کرتے ہوئے فرمایا:

هُمَا الْمَرْءُ انِ يُقْتَدٰى بِهِمَا۔[1]

"یہی وہ دونوں مردانِ خدا ہیں جن کی اقتداء کی جائے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح میں نکتہ آفرینی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَتَمَامُهُ اَنَّ تَقْرِيْرَ النَّبِيِّ ﷺ مُنَزَّلٌ مَنْزِلَةَ حُكْمِهٖ بِاسْتِمْرَارِ مَاتَرَکَ تَغْيِيْرَهٗ فَيَجِبُ الْاِقْتِدَاءُ بِهٖ فِيْ ذٰلِکَ الْعُمُوْمِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاتَّبِعُوْهُ وَاَمَّا اَبُوْبَكْرٍ فَدَلَّ عَلٰى عَدَمِ تَعَرُّضِهٖ عَلٰى اَنَّهٗ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ مِنْ قَوْلِهٖ ﷺ وَلَا مِنْ فِعْلِهٖ مَايُعَارِضُ التَّقْرِيْرَ الْمَذْكُوْرَ

[1] صحیح بخاری (مصری) ۹:۱۱۴۔

Marfat.com

وَلَوْ ظَهَرَ لَهٗ لَفَعَلَهٗ لَاسِيَّمَا مَعَ اِحْتِيَاجِهٖ لِلْمَالِ لِقِلَّتِهٖ فِیْ مُدَّتِهٖ۔[1]

"اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس مال (نذرانہ کعبہ) کو تقسیم کئے بغیر رکھا، آپ کی یہ تقریر حکم کا درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی لہٰذا اس میں بھی آپ کی پیروی ضروری ہے اور ارشادِ خداوندی "وَاتَّبِعُوْهُ" (حضور ﷺ کی پیروی کرو!) کا تقاضا بھی یہی ہے، حضرت ابوبکر صدیق نے بھی اس سے اس لئے تعرض نہیں فرمایا کہ انہیں بھی حضور علیہ السلام کے قول و فعل سے مذکورہ تقریر کے خلاف کوئی ثبوت نہیں پہنچا، اگر کوئی ثبوت مل جاتا تو ایسا کر لیتے خصوصًا جبکہ قلتِ مال کی وجہ سے ضرورت بھی تھی۔"

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر کو دونوں خلفاء نے برقرار رکھا اگرچہ اس بارے میں کوئی واضح ارشاد نہیں تھا لیکن صرف تقریرِ رسول بھی ان کی نظر میں انتہائی اہم تھی کہ ضرورت کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ غور کا مقام ہے کہ اگر اتنی جزوی تبدیلی نہیں کی جاسکتی تو پورے معاشی نظام کو بدلنا کیونکر درست ہوگا؟

۳۔ حضرت فاروقِ اعظم کا گرامی نامہ کوفہ کے چیف جسٹس کے نام۔

حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب، عدالتِ کوفہ کے چیف جسٹس قاضی شریح کو ایک مکتوبِ خاص میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری، ۱۳:۲۱۳۔

Marfat.com

اِذَا وَجَدْتَّ شَيْئًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَاقْضِ بِہٖ وَلَاتَلْتَفِتْ اِلٰی غَیْرِہٖ وَاِنْ اَتَاکَ شَیْئٌ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَاقْضِ کَمَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاِنْ اَتَاکَ مَالَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلَمْ یَسُنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاقْضِ بِمَا اَجْمَعَ عَلَیْہِ النَّاسُ وَاِنْ اَتَاکَ مَالَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلاَ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَلَمْ یَتَکَلَّمْ فِیْہِ اَحَدٌ قَبْلَکَ فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَجْتَھِدَ بِرَأْیِکَ فَتَقَدَّمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَتَأَخَّرَ فَتَأَخَّرْ وما اَرَی التَّأَخُّرَ اِلَّاخَیْرًا لَکَ۔[1]

''جب تمہیں کتاب اللہ میں حکم مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دو اور کسی اور چیز کی طرف دھیان نہ دو، اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنتِ رسول کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ایسا معاملہ ہو کہ کتاب وسنت سے اس کا علم نہ ہو سکے تو مسلمانوں کے اجماع کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر اجماع بھی نہ پاؤ تو پھر تمہیں اختیار ہے یا تو خود اجتہاد کر کے آگے بڑھ جاؤ یا اس معاملے میں توقف کرو، میرے خیال میں تمہارا توقف کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔''

۴- اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری کو آدابِ قضاء کی تعلیم دیتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْقَضَاءَ فَرِیْضَۃٌ مُحْکَمَۃٌ وَسُنَّۃٌ مُتَّبَعَۃٌ۔[2]

---

[1] اعلام الموقعین، ۱: ص ۶۱، ۶۲۔ یسر الاسلام واصول التشریع العام، ص ۴۱۔ ازالۃ الخفاء، ۲: ص ۸۵۔

[2] اعلام الموقعین، ۱: ص ۸۵۔

Marfat.com

''قضاء فریضہ محکمہ ہے یا سنتِ متبعہ''

یعنی فیصلہ کرنے کے لئے یا تو ان احکام کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے جو کتاب اللہ کی آیاتِ محکمات میں واضح کر دیئے گئے ہیں یا پھر سنتِ نبوی کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو ہر حال میں قابل اتباع ہے ان دونوں میں مسئلے کا حل نہ مل سکے تو فہم و فکر سے کام لیتے ہوئے قیاس کرنا چاہئے اور ایک جیسے امور کا حکم علتِ مشترکہ کی بنا پر معلوم کر لینا چاہئے۔

۵۔حضرت عمر نے ایک دفعہ سنت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

اَلسُّنَّۃُ مَاسَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَلَاتَجْعَلُوْا خَطَأَ الرَّأْیِ سُنَّۃً۔[1]

''سنت تو اس طریقے کا نام ہے جو رسولِ اکرم ﷺ نے مقرر فرمایا تم غلط رائے کو سنت نہ بناؤ۔''

چونکہ کچھ لوگ قرآنی آیات میں مختلف احتمالات نکال کر اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ ظواہر نصوص کو اپنا خیال درست ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں، ان کے بارے میں فاروقِ اعظم نے اپنی فراست کی بنا پر پہلے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

سَیَأْتِیْ قَوْمٌ یُجَادِلُوْنَکُمْ بِشُبُہَاتِ الْقُرْاٰنِ فَخُذُوْھُمْ بِالْاَحَادِیْثِ فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِکِتَابِ اللّٰہِ۔[2]

''ایک ایسی قوم بھی آئے گی جو قرآنی آیات سے شبہات ڈالنے کی

---

[1] اعلام الموقعین، ۱:۵۴۔ [2] موافقات، ج ۴ :ص ۱۷۔ کشف الغمہ، ۱:ص ۲۱۔

Marfat.com

کوشش کرے گی، ان کا جواب یہی ہے کہ احادیث سے ان پر گرفت کرو کیونکہ اصحابِ سنن ہی کتاب اللہ کے صحیح عالم ہو سکتے ہیں۔"

حضرتِ فاروق اعظم کے ارشاد میں ان لوگوں کے لئے درسِ عبرت ہے جو ایک طرف تو حضرتِ فاروق اعظم کو شاہکارِ رسالت تسلیم کرتے ہیں مگر دوسری طرف حضور رسالت مآب ﷺ کی سنت کی اہمیت وعظمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور صرف کتاب اللہ کی روشنی میں خود ساختہ معارف وحقائق بیان کرتے ہیں۔ حضرت فاروقِ اعظم پوری صراحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ ایک قوم قرآنی آیات سے شبہات ڈالنے کی کوشش کرے گی، ان پر احادیث سے گرفت کرنا۔ منکرینِ حدیث ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں، کیا یہ وہی قوم نہیں ہیں، پھر ان کا قرآنی دعویٰ ہے اس بارے میں حضرت فاروقِ اعظم نے کیسی فیصلہ کن بات کہی ہے:

فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِکِتَابِ اللّٰہِ.

"اصحاب سنن ہی کو کتاب اللہ کا زیادہ علم ہوتا ہے۔"

لہٰذا سنت وحدیث کا انکار کر کے یا ان کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے آدمی مفسرِ قرآن نہیں بن سکتا۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کا معیارِ انتخاب

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ حکام اور امراء کے انتخاب میں کس چیز کو زیادہ اہمیت

Marfat.com

دیتے تھے، اس کا اندازہ اس خطبے کے اقتباس سے لگایئے جو آپ نے خلافت کے آخری ایام میں دیا تھا، فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ عَلٰی اُمَرَاءِ الْاَمْصَارِ فَاِنِیْ اِنَّمَا بَعَثْتُھُمْ لِیُعَلِّمُوا النَّاسَ دِیْنَھُمْ وَسُنَّةَ نَبِیِّھِمْ۔[1]

"الٰہی! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مختلف علاقوں میں حکام اور امراء کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں اور سنتِ نبویہ کی تعلیم دیں۔"

اس میں آپ نے حکام اور امراء کے انتخاب کا مقصد بھی واضح فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ حکام کے انتخاب کے وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ کونسا فرد دین کی تعلیم دینے اور سنتِ نبویہ کی اشاعت کرنے میں زیادہ اہل ثابت ہوتا ہے۔

عمر فاروق اور احادیث نبوی کا احترام

حضرتِ فاروق اعظم کا عمل اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ آپ نے سنتِ نبویہ کے مقابلے میں کسی اجتہاد سے فیصلہ نہیں کیا بلکہ بارہا ایسا ہوا کہ آپ نے از روئے اجتہاد ایک بات کہنا چاہی لیکن حدیث و سنت میں اس کے خلاف ثبوت مل گیا تو فوراً اپنا موقف بدل کر سنت کے مطابق فیصلہ کر دیا،

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۳: ص ۳۳۹۔

Marfat.com

سیرتِ فاروقی کا مطالعہ کرنے والے اس جملے سے ضرور آگاہ ہوں گے۔

لَوْ لَمْ نَسْمَعْ هٰذَا لَقَضَيْنَا فِيْهِ بِخِلَافِ ذٰلِکَ.[1]

''اگر ہمیں اس معاملے میں حدیث نہ پہنچتی، تو ہم اس کے خلاف فیصلہ دے بیٹھتے۔''

چنانچہ اس سلسلے میں ثبوت کے طور پر حضرتِ عمر کے طرزِ عمل کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت عمر مجوسیوں سے جزیہ لینے کے بارے میں تردد میں تھے ان سے جزیہ لینا چاہئے یا نہ؟ لیکن حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف نے اس بارے میں حدیث بیان کی تو آپ نے بلا تامل جزیہ لینے کا حکم دے دیا، چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں:

قَالَ عُمَرُ مَااَدْرِیْ مَااَصْنَعُ بِالْمَجُوْسِ وَلَيْسُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ.[2]

''حضرتِ عمر نے کہا میں نہیں جانتا مجوس کے بارے میں کیا کروں، وہ اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ ان کے ساتھ (جزیہ وغیرہ کے معاملے میں) اہلِ کتاب کا سا معاملہ کرو۔''

---

[1] المستصفٰے (غزالی)، ج۱:۹۰۔ [2] المستصفٰے، ج۱:ص۹۵۔ تخریج احادیث بزدوی، ص۱۵۶۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ جزیہ عبادات سے نہیں بلکہ مالیاتِ حکومت سے تعلق رکھتا ہے، اس بارے میں بھی حضرتِ عمر نے رائے پر عمل کرنے کی بجائے سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنایا چنانچہ امامِ ابوداؤد فرماتے ہیں:

لَمْ یَکُنْ عُمَرُ یَأْخُذُ الْجِزْیَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰی شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ هِجْرٍ۔ [1]

''حضرت عمر مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے گواہی دی کہ رسولِ اکرم ﷺ نے علاقہ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔''

(ب) طاعون عمواس عہدِ فاروقی کا مشہور حادثہ ہے، اس طاعون میں سرزمینِ شام واردن میں موجود ہزاروں مجاہدین لقمہ اجل بن گئے، حضرتِ عمر نے اس موقع پر صحابہ سے طاعون زدہ علاقے میں داخل ہونے کے بارے میں مشورہ لیا، صحابہ کی رائے میں اختلاف تھا، آپ کا اجتہاد یہی تھا کہ ایسے علاقے میں داخل ہونے سے گریز کرنا چاہئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث سے آپ کی رائے کی تائید ہوگئی، انہوں نے کہا:

اِنَّ عِنْدِیْ مِنْ ذٰلِکَ عِلْمًا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تُقْدِمُوْا عَلَیْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ فِیْهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ۔ [2]

---

[1] سنن ابی داؤد، ج ۲: ص ۱۵۰۔ [2] البدایۃ النہایۃ، ج ۷: ص ۷۷۔

Marfat.com

''میرے پاس اس بارے میں صحیح علم ہے، میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب کسی علاقے میں یہ وبا پھوٹ چکی ہو، وہاں نہ جاؤ اور اگر وبا زدہ علاقے میں پہلے سے موجود ہو تو موت کے ڈر سے وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔''

(ج) ایک مرتبہ ایک عورت نے عدالتِ فاروقی میں درخواست دائر کی کہ میرا خاوند قتل ہو گیا ہے، اس کا خون بہا ادا کیا گیا ہے لہٰذا مجھے اس خون بہا سے حصہ دیا جائے۔ حضرتِ عمر نے قیاساً فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وراثت مالِ متروکہ میں جاری ہوتی ہے اور خون بہا تیرے خاوند کا ترکہ نہیں لیکن اس وقت ضحاک بن سفیان نے حدیث سنائی کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اشیم ضبابی کی اہلیہ کو اس کے مقتول خاوند کی دیت سے حصہ دیا تھا یہ سنتے ہی حضرتِ عمر نے اپنی رائے واپس لے لی اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔[1]

(د) جنین (شکم مادر میں موجود بچہ) کی دیت کے بارے میں ازروئے قیاس یہ بات سامنے آئی کہ اگر جنین زندہ ہو تو پوری دیت ادا کی جائے اور اگر مَرا ہوا ہے تو کچھ نہ دیا جائے لیکن جب آپ کو حمل بن مالک کی حدیث (اسے دیگر محدثین کے علاوہ امامِ مسلم نے بھی حضرت ابو ہریرہ[2] رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے) پہنچی کہ مردہ جنین کی دیت میں غلام یا لونڈی کی

---

[1] الرسالۃ للشافعی، ص ۶۶۔ ازالۃ الخفاء، ۲: ص ۸۶۔ [2] صحیح مسلم، ج ۲: ص ۶۲۔

Marfat.com

قیمت ادا کرنا چاہئے تو آپ نے اسی حدیث پر عمل کیا اور فرمایا:

كِدْنَا اَنْ نَقْضِىَ فِيْهِ بِرَأْيِنَا وَفِيْه سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ [1]

''قریب تھا کہ ہم اس بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کر بیٹھتے حالانکہ اس بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کی سنت موجود تھی۔''

غرضیکہ اس قسم کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ حضرتِ فاروقِ اعظم نے حدیثِ نبوی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ اپنے قیاس کو حدیث کے سامنے ترک کر دیا۔

عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفٰے
حسبی اللہ گو کہ اللہ ہم کفٰے

منکرین سنت کے چند شبہات کا ازالہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگوں نے کچھ روایات کو آڑ بنا کر یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ آپ حدیث وسنت کو دین میں حجت خیال نہیں کرتے تھے، ہم ان روایات کو ذیل میں پیش کرتے ہیں تا کہ اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا سکے۔

۱- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو جس کا مفہوم یہ تھا کہ مطلقہ بائنہ کے لئے شوہر کے ذمہ نان ونفقہ نہیں ہے اور نہ ہی

[1] الرسالۃ للشافعی، ص ۴۲۷۔ ازالۃ الخفاء، ۲: ص ۸۶۔

Marfat.com

حق سکنٰی ہے، رد کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مرورِ زمانہ کے ساتھ سنت میں تغیر کو جائز سمجھتے تھے مگر یہ شبہ حقیقت سے بالکل بعید ہے اس لئے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ آپ کی تحقیق کے مطابق وہ کتاب وسنت کے موافق نہیں تھی چنانچہ آپ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو متروک قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَانَدَعُ کِتَابَ رَبِّنَا وَلَاسُنَّةَ نَبِیِّنَا بِقَوْلِ اِمْرَأَةٍ لَانَدْرِیْ اَحَفِظَتْ ذٰلِکَ اَمْ لَا۔[1]

''ہم اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے ہم نہیں جانتے کہ اسے بات یاد رہی یا نہ؟''

گویا حضرتِ عمر نے واضح فرما دیا کہ روایتِ فاطمہ بنت قیس چونکہ کتاب وسنت کی ان نصوص کے منافی ہے جن میں مطلقہ کے لئے نفقہ وسکنٰی ثابت کیا گیا ہے لہٰذا اس روایت پر عمل نہیں کیا جائے گا، اس سے تو الٹا تمسک بالسنہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور انکارِ سنت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ سے استدلال

منکرین حدیث حضرت عمر کے اس جملے کو بڑے شد ومد کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے فرمایا تھا،

---

[1] سنن ابی داؤد، ج۱:۵۳۴۔

Marfat.com

حسبنا کتاب اللہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کافی ہے، سنتِ رسول علیہ السلام کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصل واقعہ جس کی تفصیل صحیح بخاری وصحیح مسلم میں موجود ہے یوں ہے کہ وصال سے پہلے جمعرات کے دن رسولِ خداﷺ کو درد کی تکلیف بڑھ گئی، آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی چیز لے آؤ، تمہیں تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، اس پر حضرتِ عمر نے کہا رسولِ اکرمﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے، تمہارے پاس قرآن ہے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس پر گھر میں موجود افراد کے درمیان اختلاف ہوا، کچھ کا خیال تھا کہ تحریر کے لئے کوئی چیز لے آنی چاہئے اور کچھ وہ بات کہتے تھے جو حضرتِ عمر نے کہی تھی، جب اختلاف بڑھنے لگا تو رسولِ اکرمﷺ نے فرمایا یہاں سے اُٹھ جاؤ۔[1]

اس حدیث پر علماء نے بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے جس میں ان مطاعن کا جواب دیا گیا ہے جو شیعہ حضرات کی طرف سے عائد ہوتے ہیں مگر اس وقت ہمارے پیش نظر صرف منکرین سنت کا استدلال ہے جو انہوں نے حضرت عمر کے اس جملے (حسبنا کتاب اللہ) کو سامنے رکھ کر پیش کیا ہے جس کے بارے میں پرویز صاحب اپنی ایک تالیف میں بڑے فخریہ انداز میں لکھتے ہیں کہ:

---

[1] صحیح مسلم (کتاب الوصیۃ)، ج ۲: ص ۴۳۔

Marfat.com

''یہی میری عمر بھر کی آرزو اور پکار ہے اور ان کے مظاہر کی تازہ کڑی میری یہ سعی وکاوش جو اس تصنیف کی شکل میں آپ کے سامنے ہے''۔[1]

ہم اس بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں:

۱-حضرت عمر کے اسی ایک جملہ کو لے لینا اور ان کے عمر بھر کے ان اقوال وافعال سے یکدم آنکھیں بند کر لینا جس سے کتاب کے ساتھ سنت کی حجیت واہمیت ثابت ہوتی ہے یقیناً انصاف سے بعید ہے جو ہستی عمر بھر سنت رسول کی حفاظت کرے اس کے مقابلے میں اپنے قیاس واجتہاد کو ترک کر دے، اپنے ماتحت گورنروں اور قاضیوں کو بار بار ہدایت جاری کرے کہ وہ

---

[1] شاہکارِ رسالت، ص ۵۲۸۔ [2] اس مقام پر یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جیسے متنِ حدیث سے ظاہر ہے، صحابہ اس مقدمے میں دو گروہ ہو گئے تھے اور حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی اس وقت حاضر تھے، پس اگر یہ منع کرنے والوں میں تھے تو ان پر بھی وہی اعتراض ہوگا جو سیدنا فاروق اعظم ﷺ پر کیا جاتا ہے اور اگر دوسرے گروہ میں تھے جو کاغذ وغیرہ کا لانا تجویز کرتے تھے تو بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رفع صوت کے مرتکب ہوئے نیز وہ کاغذات حاضر کرنے سے باز رہے، نہ اس وقت لائے نہ پھر کسی وقت، حالانکہ اس میں پوری امت کی خیر خواہی اور ضلالت سے حفاظت پائی جاتی تھی۔ ظاہر ہے اِئْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ (تم میرے پاس کاغذ لاؤ) کا خطاب بھی حاضرین کی طرف تھا نہ کہ خاص حضرت عمر ﷺ کی طرف، پس اگر یہ امر فرضیت یا وجوب کے طور پر مانا جائے تو ہر ایک گناہگار اور مخالفِ فرمانِ شرع ہوا اور اگر یہ صیغہء امر وجوب کے لئے نہ ہو بلکہ امر ارشادی ہو یا امتحان وآزمائش کے طور پر ہو جیسا کہ بعض اکابر کا ذوق ہے تو اس صورت میں کوئی بھی مرتکبِ معصیت قرار نہیں پاتا اس لئے ماننا پڑے گا کہ فاروقِ اعظم ﷺ کی بصیرت جلد ہی اس مسئلے کو سمجھ گئی کہ اس سے مراد تحریر لکھ دینا نہیں بلکہ اسوۂ حسنہ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول وفعل کی روشنی میں قرآنِ پاک کا مفصل سامانِ ہدایت ہونا ذہن نشین کرانا ہے، غرضیکہ یہ حدیث بصیرت فاروقی کی روشن دلیل ہے نہ کہ اُن پر موجبِ طعن، واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

کتاب اللہ کے ساتھ سنت وحدیث کو بھی پیش نظر رکھیں اور اپنے فیصلوں کا ماٰخذ ٹھہرائیں اس سے یہ توقع کیونکر کی جاسکتی ہے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت کی حجیت کے قائل نہیں۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بزرگ صحابی کے صرف ایک جملے کو لے لیا جائے اور اسے اس کی پوری زندگی کے قول وعمل سے کاٹ کر الگ موقف ومسلک کا حامل قرار دیا جائے؟

۲- یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کہنے والے وہ فاروق اعظم ﷺ ہیں جنہوں نے تقریباً ۲۳ سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کی تشریح وتفسیر سنی ہے اور رسولِ خدا ﷺ کی سیرت کی روشنی میں قرآن کی عملی تصویر آنکھوں سے دیکھی ہے اور ۱۲ سال تو سورۂ بقرہ کے علوم ومعارف سیکھنے پر صرف کر دیئے ہیں لہٰذا ان کا حسبنا کتاب اللہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس سنت اور پیغمبر اقدس ﷺ کے قول وفعل کی روشنی میں قرآن کو کافی سمجھ رہے ہیں نہ یہ کہ چند ڈکشنریاں یا اردو تراجم دیکھ کر حسبنا کتاب اللہ کا دعویٰ کر رہا ہے یہ جملہ حضرت عمر ﷺ کی زبان سے تو زیب دے سکتا ہے پرویز صاحب یا ہم لوگوں کو ایسا کہنے کا حق نہیں ہے۔

۳- اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کے نزدیک لفظ کتاب اللہ کا ایک جامع اور عام مفہوم بھی تھا وہ جس طرح کتاب اللہ سے متن قرآنِ مجید مراد لیتے تھے اسی طرح کبھی لفظِ کتاب اللہ بول کر متن وشرح دونوں کی طرف

Marfat.com

اشارہ کر دیتے تھے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض ارشادات سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، حد زنا کے سلسلے میں دو آدمی پیش ہوئے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے عرض کی اِقْضِ لِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ (ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کیجئے) آپ نے ان سے سوال پوچھنے کے بعد فرمایا:

وَاللّٰہَ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ.[1]

''بخدا میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا''۔

اس کے بعد آپ نے فیصلہ فرمایا جس کا ایک جز یعنی سو کوڑوں کی سزا تو قرآنِ مجید میں مذکور ہے مگر سال کی جلا وطنی حدیثِ نبوی سے ثابت ہے جو متن قرآن سے زائد چیز ہے مگر اس پر بھی کتاب اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے امام بخاری نے کتاب اخبار الآحاد کے علاوہ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں بھی اس روایت کو اختصار سے ذکر کیا ہے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری وجہ مناسبت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ السُّنَّۃَ یُطْلَقُ عَلَیْھَا کِتَابُ اللّٰہِ لِاَنَّھَا بِوَحْیِہٖ وَتَقْدِیْرِہٖ قَالَ تَعَالٰی وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی.[2]

اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ سنت پر بھی کتاب اللہ کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ سنت بھی کتاب کی طرح وحی اور تقدیر الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد

---

[1] صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد، ج ۲: ص ۷۸۔ [2] قسطلانی شرح بخاری، ۱۰: ص ۳۰۲۔

Marfat.com

خداوندی ہے وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھَوَ اِلَّاوَحْیٌ یُّوْحٰی (اللہ کا نبی ہوائے نفس سے بات نہیں کرتا اس کی بات وحیِ الٰہی ہوتی ہے)۔

غرضیکہ حضرت عمر فاروق اعظم کا حسبنا کتاب اللہ کہنا انکار سنت کے طور پر نہیں بلکہ کتاب اللہ کے متن وشرح قرآن وحدیث دونوں کو اپنے لئے بنیاد دین تسلیم کرنے کے طور پر ہے اس سے منکرین حدیث کا استدلال بھی اسی طرح باطل ہے جس طرح شیعہ حضرات کا اسے حکم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انکار وانحراف کے لئے دلیل بنانا غلط ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات ان تمام الزامات سے بری ہے وہ رسولِ خدا ﷺ کے سچے عاشق ہیں جن کے نزدیک محبوب ﷺ کے حکم کی اطاعت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

مسئلہ طلاقِ ثلٰثہ میں فاروقی فیصلے کی اصل صورت

سنتِ نبوی میں ترمیم کو جائز ٹھہرانے والے دور فاروقی کے اس فیصلے کو بھی پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو طلاق مغلظہ قرار دیا حالانکہ اس سے پہلے تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سنت میں ترمیم کر دی اور ائمہ فقہ نے اس ترمیم کو اجماعی طور پر قبول کر لیا لیکن اس معاملے میں بھی صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ تین طلاقیں دورِ نبوی میں بھی تین ہی سمجھی جاتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

Marfat.com

اِنَّ رَجُلاً طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ ثَلاَثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ قَالَ لَاحَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَهَا کَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ۔[1]

''ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں ،اس عورت نے دوسری جگہ شادی کر لی ،وہاں سے بھی طلاق ہوگئی ،حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہے؟ آپ نے کنایۃً وطی کو شرط قرار دیا''۔

رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں اتنی بات ضرور تھی کہ اگر کوئی شخص تین دفعہ طلاق کا الگ الگ تلفظ کر کے مثلاً یوں کہتا اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ اور پھر یہ کہتا کہ میری نیت ایک ہی طلاق کی تھی اور باقی دو مرتبہ میں نے محض تاکید کے طور پر یہ لفظ استعمال کیا ہے تو اس کے عذر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرما لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ جب لوگ کثرت سے تین طلاقیں دیکر ایک طلاق کا عذر پیش کرنے لگے تو انہوں نے سوچا کہ اب طلاق کا معاملہ کھیل بنتا جا رہا ہے لہٰذا ہم اس عذر کو قبول نہیں کریں گے اور تین طلاقوں کو تین ہی کی حیثیت سے نافذ کریں گے اس کو تمام صحابہ نے بالاتفاق قبول کر لیا اور بعد میں تابعین ، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین بھی اس پر متفق ہو گئے[2] ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری، ج ۲: ص ۹۱۔ [2] فتح القدیر، ج ۳: ص ۲۵، ۲۶۔ نصب الرایۃ، ج ۳: ص ۲۲۔

Marfat.com

نے عہدِ رسالت کے قانون طلاق میں کوئی ترمیم کی ہے اس لئے کہ نیت کے عذر کو قبول کرنا قانون نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار قاضی کی اس رائے پر ہے کہ جو شخص اپنی نیت بیان کر رہا ہے وہ صادق القول ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ کے زمانے میں اکا دکا واقعہ پیش آیا، حضور علیہ السلام نے اسے قبول کر لیا، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب سلطنتِ اسلامی کی حدود کافی پھیل گئیں اور اس قسم کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے تو اس قسم کا عذر عدالتوں میں نا قابل تسلیم قرار پایا اسے سنتِ نبویہ میں ترمیم قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

مؤلّفۃ القلوب کا حصّہ اور فاروقی طرزِ عمل

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں مؤلفۃ القلوب کو صدقات کی مد سے امداد دی جاتی تھی حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ختم کر دیا، معلوم ہوا کہ حضرت عمر حالات زمانہ کے مطابق سنت میں ترمیم کرنا مناسب سمجھتے تھے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کو ترمیم و تنسیخ قرار دیا جائے تو پھر حدیث ہی کی نہیں قرآنِ مجید کی ترمیم لازم آئے گی اس لئے کہ مؤلفۃ القلوب کا ذکر تو خود قرآن مجید نے سورۂ توبہ میں کیا ہے۔

اصل بات صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں تالیفِ قلب کے لئے مال دینے کی ضرورت تھی اس لئے حضور علیہ السلام اس مد سے لوگوں

Marfat.com

کودیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤلفۃ القلوب کی مد سے لینے والے افراد سے فرمایا:

هٰذَا شَيْئٌ كَانَ يُعْطِيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَالِيْفاً لَكُمْ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَقَدْ اَعَزَّاللّٰهُ الْاِسْلَامَ وَاَغْنٰى عَنْكُمْ فَاِنْ ثَبَتُّمْ عَلَى الْاِسْلَامِ وَاِلَّا فَبَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ السَّيْفُ. [1]

رسولِ اکرم ﷺ تمہیں تالیفِ قلب کے طور پر دیا کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے اور ہمیں تم سے بے نیاز کر دیا ہے، تم اسلام پر ثابت قدم رہو تو بہتر ورنہ فیصلہ کرنے کے لئے تلوار موجود ہے۔

مشہور فقیہ علامہ کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

عَدَمُ الدَّفْعِ الْاٰنَ لِلْمُؤَلَّفَةِ تَقْرِيْرٌ لِمَا كَانَ فِيْ زَمَنِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَانَسْخٌ لِاَنَّ الْوَاجِبَ كَانَ الْاِعْزَازَ وَكَانَ بِالدَّفْعِ وَالْاٰنَ هُوَ فِيْ عَدَمِ الدَّفْعِ. [2]

''اس وقت مؤلفۃ القلوب کو نہ دینے میں عہدِ رسالت کے کسی حکم کا نسخ لازم نہیں آتا بلکہ اس کی تقریر و پختگی پائی جاتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت مال دینے سے اعزازِ اسلام مقصود تھا اور اب مال نہ دینے میں اعزاز و شوکت اسلام کا اظہار ہے، غرضیکہ اسے کسی طرح سنت نبوی یا حکم قرآنی کی ترمیم و تنسیخ قرار نہیں دیا جا سکتا''۔

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ بر حاشیہ فتح القدیر، ج ۲: ص ۱۴۔ [2] فتح القدیر، ۲: ص ۱۵۔ روح المعانی، ۱۰: ص ۱۲۲۔

Marfat.com

مفتوحہ اراضی کے متعلق فیصلہء فاروقی اور سنتِ رسول ﷺ

سیرتِ فاروقی کے بارے میں یہ اشکال بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مفتوحہ اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ بدل دیا اور ارضِ عراق کی مفتوحہ اراضی اصل مالکوں کے پاس رہنے دی گئی، یہ اشکال اس صورت میں صحیح ہو سکتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مفتوحہ اراضی کے بارے میں ایک مخصوص فیصلہ فرما دیا ہوتا کہ وہ بہر صورت مجاہدین کو ملے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے خلاف کرتے تو یقیناً اسے سنت میں تبدیلی قرار دیا جاتا یا یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ اراضی واپس لے کر کوئی اور فیصلہ صادر کرتے تو اسے تبدیلی سنت کا نام دیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا حقیقت یہ ہے کہ مختلف حالات ومقتضیات کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فدک، بنی قریظہ، بنی نضیر اور اہل خیبر کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں مختلف فیصلے فرمائے تھے، کسی ایک طریق کار کو معین نہیں فرمایا تھا کہ اب اس میں کمی بیشی سے سنت رسول ﷺ کی مخالفت لازم آتی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق کے بارے میں یہ طرز عمل اختیار کیا کہ اسے سابقہ مالکوں کے پاس رہنے دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے موقف کی تائید کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ

Marfat.com

نے ابتداً میں مخالفت کی مگر بعد میں سب نے حضرت عمر ﷺ کے دلائل سے اتفاق کرلیا، غرضیکہ حضرت عمر ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورے سے اراضی مفتوحہ کا جو بندوبست کیا، اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں میں ردوبدل کی مثال کے طور پر پیش کرنا درست ہی نہیں ہے۔

مشہور فقیہ علامہ سرخسی اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ مَايُرْوٰى اَنَّ عُمَرَ ﷺ حِيْنَ فَتَحَ السَّوَادَ مَنَّ بِهَا عَلٰى اَهْلِهَا وَاَبٰى اَنْ يُّقَسِّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ عَلٰى اَنَّهٗ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ حُكْمًا حَتْمًا مِنْ وَجْهٍ لَايَجُوْزُ غَيْرُهٗ فِى الْغَنَائِمِ.[1]

''حضرت عمر ﷺ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے سواد عراق کی اراضی کو بطور احسان وہاں کے باشندوں کے پاس رہنے دیا اور مجاہدین میں تقسیم کرنے سے انکار کردیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس بارے میں کوئی قطعی حتمی حکم موجود نہیں''۔

غرضیکہ حضرت عمر ﷺ اتباعِ سنت کا پیکر تھے ان کی طرف سنت میں تبدیلی یا ترمیم کی نسبت کرنا بہت بڑا تاریخی جھوٹ ہے جو کسی دیندار اہل علم سے سرزد نہیں ہوسکتا۔

حضرت عثمان غنی ﷺ اور اتباعِ سنت

اب حضرت عثمان غنی ﷺ کے دور پر نظر ڈالئے، اس میں بھی آپ

---

[1] اصولِ سرخسی، ج۲: ص۸۔

Marfat.com

اتباعِ سنت کو اتباعِ قرآن کے ساتھ ساتھ محسوس کریں گے۔ سب سے پہلے جب آپ کی بیعت کی جاتی ہے تو اس میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں:

نُبَایِعُکَ عَلٰی سُنَّةِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ وَسُنَّةِ الْخَلِیْفَتَیْنِ بَعْدَهٗ۔[1]

''ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں، قانونِ خداوندی، سنتِ نبوی اور شیخین کے طریق کار کی پیروی کرنے پر''۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ منتخب ہونے کے بعد جو خطبہ دیتے ہیں، اس میں بھی سنت کے تشریعی مقام کو یوں واضح کرتے ہیں:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ قَدْ حُمِلْتُ وَقَدْ قَبِلْتُ اَلَا وَاِنِّیْ مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ اَلَا وَاِنَّ لَکُمْ عَلَیَّ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا الخ۔[2]

''حمد وصلوٰۃ کے بعد (میں کہتا ہوں کہ) مجھ پر خلافت کا بار ڈال دیا گیا ہے اور میں نے اسے قبول کر لیا ہے، یاد رہے میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں، مجھ پر کتاب اللہ اور سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پابندی کے بعد تمہارے تین حق ہیں''۔

پھر ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک یہ کہ میرے پیشرو خلفاء کے زمانے میں اتفاق و اجماع سے جو فیصلے طے ہو چکے ہیں، ان کی پابندی کرونگا، دوسرے یہ کہ جو امور اب اہل

---

[1] تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۹۔ [2] تاریخ ابن جریر، ج ۵: ص ۱۴۹۔

Marfat.com

خیر کے اتفاق واجماع سے طے ہوں گے ان پر عملدرآمد کروں گا، تیسرے یہ کہ تم پر دست درازی کرنے سے باز رہونگا تاوقتیکہ تم ازروئے قانون مواخذہ کے مستحق نہ بن جاؤ"۔

اس تاریخی خطبے میں آپ نے دستور کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارہ کر دیا کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول کی اہمیت کا اعلان کیا اور پھر اجماع کی اہمیت کو بیان کیا۔

آپ نے اپنے دور خلافت میں ہمیشہ سنتِ نبوی سے تمسک کیا اور ارشاداتِ نبویہ کو بطور دلیل پیش کیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اقرباً پروری سے کام لیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے قومی امانت میں سے اپنے اقرباً پر کوئی ناجائز خرچ نہیں کیا، آپ خود صاحب دولت تاجر تھے، اپنی خداداد دولت میں سے اقرباً پر خرچ کرتے تھے اور حکم خداوندی کی تعمیل کرتے تھے کہ اہل قرابت سے اچھا سلوک کرنا چاہیے نیز آپ کے سامنے ارشادِ نبوی تھا کہ اہل قرابت پر خرچ کرنا دوگنے اجر کا باعث ہے، ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت حدیث میں محتاط تھے لیکن جونہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی حدیث پہنچ جاتی، اس پر ضرور عمل فرماتے۔ مسند احمد میں اس سلسلے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ حج کے موقع پر آپ

Marfat.com

احرام باندھ کر جارہے تھے، بہت سے مسلمان آپ کے ساتھ تھے، جب آپ مقامِ قُدَید پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے شکار کر کے تلے ہوئے چکور پیش کئے چنانچہ وہ دسترخوان پر چن دیئے گئے۔ایک راوی کا بیان ہے:

كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی الْحَجَلِ حَوَالِی الْجَفَانِ.

''گویا اب بھی تلے ہوئے چکور طشت میں نظر آرہے ہیں''۔

اتنے میں پتا چلا کہ اسی قافلے میں حضرت علی بن ابی طالب ﷺ بھی آرہے ہیں اور وہ ان شکار کردہ چکوروں کے کھانے سے منع کر رہے ہیں، حضرت عثمان ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو بلا کر کہا:

''نہ ہی ہم نے شکار کیا ہے، نہ ہی اس کا حکم دیا ہے، یہ ان لوگوں نے شکار کیا ہے جو حالتِ احرام میں نہ تھے، اب اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے؟''۔

حضرت علی ﷺ نے جواب دیا:

''آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بحالتِ احرام گورخر کی ران پیش کی گئی، آپ نے فرمایا تھا ہم لوگ احرام کی حالت میں ہیں، چاہیے کہ یہ گوشت انہیں کھلایا جائے جو احرام سے نہ ہوں''۔[1]

چنانچہ اپنے آقا و مولیٰ کی حدیث سن کر آپنے کھانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہ تلے ہوئے چکور چشمے پر مقیم لوگوں کے کام آئے۔

---

[1] مسند امام احمد، ج ۱: ص ۱۳۷۔

Marfat.com

امام شافعی نے ''الرسالہ'' میں سندِ صحیح کے ساتھ فریعہ بنت مالک کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کا شوہر قتل ہو گیا، اس نے شوہر کے گھر سے دورانِ عدت منتقل ہونے کی اجازت چاہی، رسولِ اکرم ﷺ نے اوّلاً رخصت دے دی مگر پھر بلا کر فرمایا کہ عدت ختم ہونے تک اپنے شوہر کے مکان میں رہو، حضرت عثمان غنی ؓ کو فریعہ بنت مالک نے یہ روایت پیش کی تو انہوں نے قیاس کو ترک کر کے اسے قبول کر لیا، امام شافعی لکھتے ہیں:

وَعُثْمَانُ فِیْ اِمَامَتِهٖ وَعِلْمِهٖ یَقْضِیْ بِخَبَرِ اِمْرَأَةٍ بَیْنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ. [1]

''حضرت عثمان ؓ اپنی امامت اور جلالتِ علمی کے باوجود مہاجرین وانصار کے جم غفیر میں ہوتے ہوئے ایک عورت کی روایت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں''۔ (یہ ان کے جذبہ اتباعِ سنت کی روشن دلیل ہے)

جب حضرت عثمان غنی ؓ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ نے اتمام حجت کے طور پر ارادۂ قتل کرنے والوں کے سامنے جو تقریر کی، اس میں بھی حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَایَحِلُّ دَمُ اِمْرَأٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ رَجُلٌ کَفَرَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ اَوْزَنٰی بَعْدَ اِحْصَانِهٖ اَوْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ فَوَاللّٰهِ مَازَنَیْتُ فِیْ جَاهِلِیَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ

---

[1] الرسالہ (للشافعی) ص ۴۳۹۔

Marfat.com

وَلَا تَمَنَّيْتُ اَنَّ لِیْ بِدِیْنِیْ بَدَلاً مُنْذُ هَدَانِیَ اللّٰهُ وَلاَ قَتَلْتُ نَفْساً فَلِمَ تَقْتُلُوْنَنِیْ۔[1]

''میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان کا خون تین صورتوں کے سوا بہانا درست نہیں، اسلام لانے کے بعد کفر کرے، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، کسی کو ناحق قتل کرے۔ خدا کی قسم میں نے تو نہ جاہلیت میں بدکاری کی ہے نہ اسلام میں، نہ ہی کبھی میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اسلام کے بدلے میں کوئی اور دین اختیار کروں اور نہ ہی میں نے کبھی کسی کو قتل کیا پس تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟''۔

دورانِ محاصرہ نہ تو آپ لڑائی پر آمادہ ہوئے اور نہ ہی باغیوں کے مطالبے پر خلافت سے دستبردار ہونا قبول کیا، اس کی وجہ بھی درحقیقت اتباعِ حدیث تھی، آپ اقتدار کے شائق نہ تھے مگر آپ نے ارشادِ نبوی کی تعمیل میں خلافت چھوڑنا پسند نہیں کیا، صاحب اسد الغابہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عُثْمَانُ اِنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهُ یُقْمِصُکَ قَمِیْصًا فَاِنْ اَرَادُوْکَ عَلٰی خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ۔[2]

''رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا اے عثمان! اللہ تجھے ایک قمیض پہنائے گا لوگ اتارنا چاہیں تو وہ قمیض (خلافت) اتار کر نہ دینا''۔

---

[1] سنن نسائی، ج ۲: ص ۱۴۶۔ [2] اسد الغابہ فی معرفۃ احوال الصحابۃ، ج ۳: ص ۳۸۳۔

Marfat.com

جب آپ سے کہا گیا کہ باغیوں سے قتال کریں تو آپ نے جواب دیا:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَہِدَ اِلَّی عَہْدًا وَاَنَا صَابِرٌ نَفْسِیْ عَلَیْہِ۔[1]

''رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا ہے، میں اسی پر صبر کئے بیٹھا ہوں''۔

یہ اس پیکرِ اتباع کا جذبہ تسلیم ورضا تھا کہ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں اپنی جان دے دی مگر کسی سے قتال کرنا پسند نہیں کیا۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

ان لوگوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سنن نبویہ کو بدل دیا کرتے تھے حقائق سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟۔

مولا علی رضی اللہ عنہ کا اہل مصر کے نام پیغام

اب آیئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے دور پر ہلکی سی نظر ڈالیں، یہاں پر سیرتِ مرتضوی کا تفصیلی جائزہ تو پیش نہیں کیا جاسکتا، عہد مرتضوی کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں جن سے سنت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے:

۱- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تو اپنا پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے اہل مصر

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج۳: ص۱۰۴۳۔

Marfat.com

کے مجمع میں پڑھ کر سنا دینا، اس پیغام میں حمد وثنا کے بعد بعثتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقاصد کا ذکر تھا اور پھر شیخین کے فضائل ومناقب کا بیان تھا، چنانچہ فرمایا:

ثُمَّ اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اسْتَخْلَفُوْا بِهٖ اَمِیْرَیْنَ صَالِحَیْنِ عَمَلاً بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاَحْسَنَا السِّیْرَةَ وَلَمْ یَعْدُوْا السُّنَّةَ.[1]

"پھر مسلمانوں نے حضور ﷺ کے بعد یکے بعد دیگرے دو امیر مقرر کئے جو صالح تھے، کتاب وسنت کے عامل تھے، ان کی سیرت نہایت عمدہ تھی، انہوں نے سنتِ نبویہ سے تجاوز نہ کیا"۔

اس میں جہاں شیخین کی فضیلت کا بیان ہے وہاں سنت کی اہمیت کا پتا بھی چلتا ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور کسی کے کمال کا معیار یہ ہے کہ وہ سنتِ نبویہ سے سرمو انحراف نہ کرے اس کے بعد اپنی بیعت اور سربراہِ مملکت کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اَلاَ وَاِنَّ لَکُمْ عَلَیْنَا الْعَمَلَ بِکِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْقِیَامَ عَلَیْکُمْ بِحَقِّهٖ وَالتَّنْفِیْذَ لِسُنَّتِهٖ وَالنُّصْحَ لَکُمْ بِالْغَیْبِ.[2]

"ہمارے اوپر بحیثیت سربراہ مملکت یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسولِ اکرم ﷺ پر عمل پیرا ہوں احکام کتاب اللہ کو قائم رکھنا،

---

[1] تاریخ طبری، ج۵: ص۲۷۷۔ [2] تاریخ طبری، ج۵: ص۲۲۷۔ شرح نہج البلاغۃ (ابن ابی الحدید) ۶: ۲۳۔

Marfat.com

سنتِ نبویہ کو نافذ کرنا اور پیٹھ پیچھے سب کی خیر خواہی کرنا بھی ہمارا فرض ہے"۔

۲- اس کے بعد آپ اس تاریخی معاہدہ پر غور کریں جو حضرت سیدنا علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے درمیان طے پایا تھا اس میں بھی تمام متنازعہ امور کے تصفیہ کیلئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کا عہد موجود ہے، وہ معاہدہ یہ ہے:

هٰذَا مَا تَقَاضٰى عَلَيْهِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِىْ طَالِبٍ وَمَعَاوِيَةُ بْنُ اَبِىْ سُفْيَانَ قَاضٰى عَلِيٌّ عَلٰى اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَمَنْ مَعَهُمْ مِنْ شِيْعَتِهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ اِنَّمَا نَنْزِلُ عِنْدَ حُكْمِ اللّٰهِ ﷻ وَكِتَابِهٖ وَلَايَجْمَعُ بَيْنَنَا غَيْرُهٗ وَاِنَّ كِتَابَ اللّٰهِ ﷻ بَيْنَنَا مِنْ فَاتِحَتِهٖ اِلٰى خَاتِمَتِهٖ نُحْيِىْ مَااَحْيَا وَنُمِيْتُ مَااَمَاتَ فَمَا وَجَدَ الْحَكَمَانِ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ ﷻ وَهُمَا اَبُوْمُوْسَى الْاَشْعَرِىُّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ قَيْسٍ وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ عَمِلَا بِهٖ وَمَا لَمْ يَجِدَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ ﷻ فَالسُّنَّةُ الْعَادِلَةُ الْجَامِعَةُ غَيْرُ الْمُفَرِّقَةِ۔[1]

یہ وہ معاہدہ ہے جس پر حضرت علی ؓ اہل کوفہ ودیگر متبعین کی طرف سے اور حضرت معاویہ ؓ اہل شام ودیگر معاونین کی طرف سے متفقہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم کتاب اللہ کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں، اس کے سوا دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جمع نہیں کر سکتی اللہ کی کتاب شروع سے آخر تک ہمارے پاس

---

[1] تاریخ طبری، ج۶: ص۲۹، ۳۰۔ البدایۃ والنہایۃ، ج۷: ص۲۷۶۔ تاریخ ابن خلدون، ج۲: ص۱۱۱۱۔

Marfat.com

موجود ہے ہم اسی امر کا احیاء کریں گے جس کا کتاب اللہ نے احیاء کیا اور اسی چیز کو فنا کریں گے جسے کتاب اللہ نے مٹا دیا، ہمارے دونوں حَکَموں ابوموسیٰ اشعری ؓ اور عمرو بن عاص ؓ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور کتاب اللہ میں مسئلے کا حل نہ ملے تو پھر سنت کی طرف رجوع کریں جو عدل وانصاف پر مبنی ہے اور تفریق کو ختم کر کے وحدت کو قائم رکھنے والی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلامی آئین و دستور سازی کیلئے کتاب اللہ کافی ہے سنت کی ضرورت نہیں، انہیں چاہیے کہ وہ خلفاءِ راشدین کی ان تاریخی تحریروں کا جائزہ لیں، یہ حضرات ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کو سمجھنے والے تھے لیکن کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنتِ رسول کا ذکر بھی فرماتے ان کے نزدیک سنت، وحدتِ امت کو برقرار رکھنے والی چیز ہے نہ کہ موجب تفرقہ وانتشار۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح رسالت پر ایمان کے بغیر محض توحید کو تسلیم کرنے سے ایمان حاصل نہیں ہوسکتا اسی طرح سنتِ رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کئے بغیر صرف کتاب سے ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی۔

حضرت علی ؓ اور روایتِ حدیث میں احتیاط

حضرت علی بن ابی طالب کے دل میں حدیثِ رسول علیہ السلام کا

Marfat.com

انتہائی احترام تھا آپ فرمایا کرتے تھے:

لَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَآءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَکْذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔[1]

''میرے لئے آسمان سے زمین پر گر جانا زیادہ محبوب ہے بجائے اس کے کہ رسولِ اکرم ﷺ کیطرف غلط بات منسوب کروں''۔

آپ دوسروں سے روایت لینے میں بھی بہت احتیاط فرماتے تھے چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

کُنْتُ اِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثًا نَفَعَنِیَ اللّٰہُ بِمَا شَآءَ اَنْ یَنْفَعَنِیْ مِنْہُ وَکَانَ اِذَا حَدَّثَنِیْ غَیْرُہٗ اسْتَحْلَفْتُہٗ فَاِذَا حَلَفَ صَدَقْتُہٗ. [2]

''میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث سنتا تو اس سے توفیق ایزدی کے مطابق نفع حاصل کرتا اگر کوئی دوسرا مجھ سے روایت کرتا تو میں اس سے حلف اٹھواتا، اگر وہ حلف اٹھا دیتا تو میں اسے سچا قرار دیتا''۔

حضرت علی ابن ابی طالب نے روایات موضوعہ کے فتنے کو روکنے کے لئے کیسا عمدہ اصول مقرر کیا، علامہ ذہبی نے اس اصول کو نقل کیا ہے:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ وَدَعُوْا مَا یُنْکِرُوْنَ. [3]

''لوگوں کے سامنے وہ روایتیں بیان کرو جنہیں وہ معروف جانتے

---

[1] مسند امام احمد، ج۱: ص۱۵۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ، ج۱: ص۹ [3] ایضاً، ج۱: ص۱۲۔

Marfat.com

ہوں اور وہ روایات بیان نہ کرو جن کو وہ منکر جانتے ہوں"۔

اس اصول کو سامنے رکھ کر حضرات محدثین نے معروف ومنکر کی اصطلاحات قائم کی تھیں۔

حضرت علی اور تمسّک بالسّنۃ

حضرت علی بن ابی طالب ﷺ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول علیہ السلام سے بھی استدلال پیش کیا کرتے تھے چنانچہ جب خوارج نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ نزاعی معاملات کو طے کرنے کے لئے تحکیم (حکم بنانا) کیوں قبول کی تو آپ نے جواباً قرآن وسنت دونوں سے دلیل پیش کی، آپ نے فرمایا کہ قرآن میں حکم ہے اگر خاوند و بیوی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دونوں کے اہل قرابت میں سے دو حکم بنائے جائیں جو مصالحت کرائیں جب اس قدر محدود گھریلو معاملے کیلئے تحکیم جائز ہے تو مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے تحکیم کیوں جائز نہیں؟۔

آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ سنت سے بھی دلیل پیش کی، آپ نے فرمایا رسولِ پاک ﷺ کی ذات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے، آپ نے تو کفار سے بھی حدیبیہ کے مقام پر صلح کر لی تھی، اگر میں نے مسلمانوں

لے مسند امام احمد، ج ۱: ص ۱۱۵۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷: ص ۲۸۰۔

Marfat.com

سے صلح کر لی ہے تو اسمیں کیا مضائقہ ہے؟ [1]

برصغیر کے عظیم محدث شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضرت علی ؓ نے حضرت ابن عباس کو خوارج کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا تو انہیں تاکید فرمائی:

عَلَیْکَ بِالسُّنَّةِ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ ذُوْوُجُوْهٍ. [1]

''سنت کو لازم پکڑنا اس لئے کہ قرآن تو کئی وجوہ کا محتمل ہے''۔ (ان وجوہِ محتملہ میں سے معنٰی مرادی کی تعیین سنت ہی سے ہو سکتی ہے)

غرضیکہ حضرات خلفاءِ راشدین نے کتاب کے ساتھ سنت کو شرعی اور آئینی حجت قرار دیا اور چھوٹے مسائل سے لے کر اہم ملکی معاملات تک سب میں کتاب کے ساتھ ساتھ سنت سے بھی تمسک کیا ہے۔

اقسامِ سنت اور ان کا شرعی مقام

منکرین سنت احادیث کی اہمیت گھٹانے کیلئے کہہ دیتے ہیں کہ روایت کی صرف ایک قسم (متواتر) ہی یقینی ہو سکتی تھی اور چونکہ ایسی کوئی حدیث نہیں بلکہ ساری اخبارِ آحاد ہیں جو صرف ظن کا فائدہ دیتی ہیں اس لئے احادیث و سنن کے تمام ذخائر ناقابل اعتماد ہیں۔ ہم انشاء اللہ آنے والی بحث میں علمائے اصول کی تحقیقات کی روشنی میں سنت کے مختلف اقسام اور

---

[1] تفسیر فتح العزیز، ج ۱: ص ۸۶۔

Marfat.com

ان کا شرعی مقام بیان کریں گے اور اس بارے میں منکرین حدیث کے شبہات کا علمی جواب بھی تحریر کریں گے۔

سنت کی تقسیم

سنتِ مسند (جس کی پوری سند بیان کی گئی ہو) کی تین قسمیں ہیں، خبر متواتر، خبر مشہور، خبر واحد۔

خبر متواتر

علمائے اصول نے خبر متواتر کی یہ تعریف کی ہے:

مَایَکُوْنُ رُوَاتُہٗ فِیْ کُلِّ عَھْدٍ قَوْمًا لَایُحْصٰی عَدَدُھُمْ وَلَا یُمْکِنُ تُوَاطُؤُھُمْ عَلَی الْکِذْبِ لِکَثْرَتِھِمْ وَعَدَالَتِھِمْ وَتَبَایُنِ اَمَاکِنِھِمْ۔[1]

''ہر وہ حدیث متواتر ہے جس کو ہر زمانے میں ایسی قوم نے روایت کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا، ان کی کثرتِ تعداد اور امانت وعدالت اور ان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کے باعث ناممکن ہو''۔

یہ بدیہی امر ہے کہ جس روایت کو بیان کرنے والے ایسے بے شمار پاکباز افراد ہوں جن کی صداقت وعدالت مسلم ہو تو ایسی روایت یقیناً علم یقینی کا فائدہ دے گی اور کوئی ذی ہوش آدمی اس کی قطعیت سے انکار نہیں کرے گا۔

علامہ فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] توضیح، ج ۲: ص ۲۲۳۔ الحسامی (بحث السنۃ)، ص ۶۷۔ اصول بزدوی، ص ۱۵۰۔

Marfat.com

وَهٰذَا الْقِسْمُ يُوْجِبُ عِلْمَ الْيَقِيْنِ بِمَنْزِلَةِ الْعَيَانِ عِلْمًا ضَرُوْرِيًّا۔[1] ''خبر متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اس سے ایسا علم بدیہی حاصل ہوتا ہے جو بمنزلہ چشم دید ہو''۔

خبر متواتر کا وجود

یہ کہنا قطعاً درست نہیں کہ خبر متواتر کا سرے سے وجود ہی نہیں اہل نظر بخوبی جانتے ہیں کہ حدیث میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے چنانچہ پانچ نمازوں کی فرضیت، تعداد رکعات، شرحِ زکوٰۃ اور اس قسم کے بہت سے امور ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔[2]

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شروطِ تواتر کی حامل حدیث نہیں ملتی انہوں نے تدبر سے کام نہیں لیا احادیث کی تمام مشہور کتابیں جن کے متعلق ہمیں پورا وثوق ہے کہ ان کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف یقینی ہے جب ان میں متفقہ طور پر ایک حدیث مرقوم ہو اور ہر ایک کا سلسلہ سند بھی جدا ہو تو ایسی حدیث بلاشبہ علم یقینی کا فائدہ دے گی کیونکہ تمام ائمہ حدیث کا ایک جھوٹی روایت پر متفق ہونا قطعاً محال ہے ایسی احادیث کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں، چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:

---

[1] اصول بزدوی، ص ۱۵۰۔ [2] الحسامی، ص ۶۷۔

Marfat.com

وَمِنْ اَحْسَنِ مَايُقَرَّرُ بِهٖ كَوْنُ الْمُتَوَاتِرِ مَوْجُوْدًا وُجُوْدَ كَثْرَةٍ فِی الْاَحَادِیْثِ اَنَّ الْکُتُبَ الْمَشْهُوْرَةَ الْمُتَدَاوَلَةَ بِاَیْدِی اَهْلِ الْعِلْمِ شَرْقًا وَّغَرْبًا اَلْمَقْطُوْعَ عَدُّهُمْ بِصِحَّةِ نِسْبَتِهَا اِلٰی مُصَنِّفِیْهَا اِذَااجْتَمَعَتْ عَلٰی اِخْرَاجِ حَدِیْثٍ وَتَعَدَّدَتْ طُرُقُهٗ تَعَدُّدًا تَحِیْلُ الْعَادَةُ تَوَاطُؤَهُمْ عَلَی الْکِذْبِ اِلٰی اٰخِرِ الشُّرُوْطِ اَفَادَالْعِلْمَ الْیَقِیْنِیَّ لِصِحَّتِهٖ اِلٰی قَائِلِهٖ وَمِثْلُ ذٰلِکَ فِی الْکُتُبِ الْمَشْهُوْرَةِ کَثِیْرٌ۔[1]

''حدیث متواتر کے کثرت کے ساتھ موجود ہونے کی عمدہ تقریر یہ ہے کہ وہ کتبِ مشہورہ جو شرقاً غرباً اہل علم کے ہاتھوں میں موجود ہیں اور جن کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف بالکل قطعی ہے جب ان کتابوں میں ایک روایت مختلف طرق واسانید کے ساتھ مروی ہو تو عادۃً ان محدثین کا جھوٹ پر اتفاق محال سمجھا جائے گا اور شروطِ تواتر کے پائے جانے کی بنا پر اس سے علم یقینی حاصل ہوگا کتبِ مشہورہ میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں''۔

تواتر کے اقسام

نفس تواتر کی چار قسمیں ہیں:

۱-تواتر اسناد

---

[1] شرح نخبۃ الفکر، ص ۲۳۔

Marfat.com

۲-تواتر طبقہ

۳-تواتر تعامل

۴-تواتر معنوی

۱-تواتر اسناد کا وہی مفہوم ہے جو خبر متواتر کی تعریف میں بیان ہو چکا ہے یعنی وہ حدیث جس کو اول سند سے آخر سند تک اتنی بڑی جماعت نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو اس کی مثال دیتے ہوئے حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں:

حَدِیْثُ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ نَرَاهُ مِثَالاً لِذٰلِکَ فَاِنَّهٗ نَقَلَهٗ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الْعَدَدُ الْجَمُّ وَهُوَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ مَرْوِیٌّ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنْهُمْ وَذَکَرَ اَبُوْ بَکْرِ الْبَزَّارُ الْحَافِظُ الْجَلِیْلُ فِیْ سَنَدِهٖ اَنَّهٗ رَوَاهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوٌ مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا مِنَ الصَّحَابَةِ وَذَکَرَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ اَنَّهٗ رَوَاهُ عَنْهُ اِثْنَانِ سِتُّوْنَ نَفْساً مِنَ الصَّحَابَةِ وَفِیْهِمُ الْعَشَرَةُ الْمَشْهُوْدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ. [1]

''یہ حدیث کہ جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا'' متواتر کی مثال بن سکتی ہے اسے صحابہ سے تعدادِ کثیر نے روایت کیا ہے اور صحیحین میں بھی ایک جماعت سے مروی ہے، ابوبکر بزار جو بڑے

---

[1] مقدمہ ابن صلاح، ص ۲۴۳۔

Marfat.com

جلیل القدر حافظ الحدیث ہیں، اپنے مسند میں ذکر کرتے ہیں کہ اسے رسولِ اکرم ﷺ سے تقریباً چالیس صحابہ نے روایت کیا ہے بعض حفاظ نے باسٹھ صحابہ کا نام لیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں"۔

علامہ محی الدین نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے:

قَالَ بَعْضُهُمْ رَوَاهُ مِأَتَانِ مِنَ الصَّحَابَةِ.[1]

"بعض صحابہ کا قول ہے کہ اسے تقریباً دوسو صحابہ نے روایت کیا ہے"۔

۲-تواتر طبقہ جسے عہدِ رسالت سے اب تک طبقۃً بعد طبقۃٍ تواتر حاصل ہو، صرف ایک خاص سلسلہء سند اصطلاحی انداز میں نہ ہو بلکہ شرقاً غرباً اس کی شہرت اور تواتر ثابت ہو جیسا کہ قرآنِ پاک کا تواتر ہے، اسے مسلم غیر مسلم سب کے نزدیک شہرت حاصل ہے اس کا ہر طبقے میں تواتر اس قدر مشہور ہے کہ کوئی خاص سلسلہ سند پیش کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

۳-تواترِ تعامل، جسے تواترِ توارث بھی کہہ سکتے ہیں، کسی عمل پر عہد رسالت سے اب تک جماعتِ کثیرہ کا تواتر چلا آتا ہو اور عادۃً ان کا غلط بات پر متفق ہونا محال نظر آئے جیسا کہ نمازِ پنجگانہ کا تواتر ہے۔ اسی طرح وضو سے پہلے مسواک کا مسئلہ ہے مسواک اگرچہ سنت ہے مگر اس کی سنت کا اعتقاد رکھنا فرض ہے اس لئے کہ یہ تواترِ عمل سے ثابت ہے علماء نے کہا ہے حدیث لَاوَصِيَّةَ لِـــوَارِثٍ (وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوسکتی) کو بھی تواتر

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم، ص ۸۔

Marfat.com

تعامل حاصل ہے کیونکہ اس پر عمل انتہائی ظہور کو پہنچ چکا ہے۔ اولیاء صالحین کی زیارت کے مقصد سے سفر کرنا بھی اس ضمن میں داخل ہے کیونکہ ہر دور میں اس پر جماعتِ کثیرہ کا عمل رہا ہے۔

۴۔ تواترِ معنوی، جسے تواترِ قدرِ مشترک بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مختلف اخبار آحاد کے ملانے سے ایک ایسی قدرِ مشترک حاصل ہو جو درجہء تواتر کو پہنچ جائے۔

علامہ نورالدین حاشیہء مقدمہ ابن صلاح میں اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمُتَوَاتِرٌ مَّعْنَوِیٌّ وَهُوَ اَنْ یَّنْقُلَ جَمَاعَةٌ یَّسْتَحِیْلُ تُوَاطُؤُهُمْ عَلَی الْکِذْبِ وَقَائِعَ مُخْتَلِفَةً تَشْتَرِکُ فِیْ اَمْرٍ مُّعَیَّنٍ فَیَکُوْنُ هٰذَا الْاَمْرُ مُتَوَاتِرًا۔[1]

''متواترِ معنوی وہ ہے جسے ایک ایسی جماعت نقل کرے جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو، روایت کردہ واقعات مختلف ہوں لیکن ان سے قدرِ مشترک حاصل ہو جو امر متواتر ہو''۔

جیسا کہ حاتم کی سخاوت کے واقعات ہیں جو روایاتِ آحاد ہیں البتہ ان سے جودِ حاتم کا معنٰی حاصل ہوتا ہے، وہ متواتر ہے، حضور رحمتِ دو عالم ﷺ کے معجزات بھی متواترۃ المعنٰی ہیں۔

---

[1] حاشیہ مقدمہ ابن صلاح، ص ۲۴۲۔

Marfat.com

متواتر کے بعد خبر مشہور کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

خبر مشہور

امام فخر الاسلام بزدوی خبر مشہور کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْمَشْهُوْرُ مَا كَانَ مِنَ الْاٰحَادِ فِی الْاَصْلِ ثُمَّ انْتَشَرَ فَصَارَ يَنْقُلُهُ قَوْمٌ لَايُتَوَهَّمُ تُوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكِذْبِ وَهُمُ الْقَرْنُ الثَّانِیْ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ۔[1]

"حدیثِ مشہور وہ ہے جو اصل میں اخبار آحاد سے ہو بعد میں اس کی شہرت ہوگئی ہو اور اسے صحابہ کے بعد قرنِ ثانی اور بعد کے لوگوں نے اس قدر کثرت سے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو"۔

گویا طبقہ صحابہ میں تو وہ خبر واحد ہے اور بعد میں وہ متواتر کی شکل اختیار کر لیتی ہے اسی بنا پر اسے متواتر سے کم درجہ دیا جاتا ہے، فخر الاسلام نے عیسیٰ بن ابان سے نقل کیا ہے کہ اس کا منکر گمراہ ہے، کافر نہیں، [2] یہ علمِ یقین کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس سے علمِ طمانیت [3] حاصل ہوتا ہے۔

علامہ تفتازانی طمانیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علم ظنی کا قرائن سے قریب یہ یقین ہو جانا ہے، [4] طمانیت سے نفس کو سکون حاصل ہوتا ہے اور شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے تاہم یہ علم یقینی نہیں

---

[1] اصول بزدوی، ص ۱۵۲۔ [2] ایضاً ص ۱۵۲۔ [3] ایضاً، ص ۱۵۲۔ [4] تلویح، ص ۲۲۳۔

Marfat.com

کہلاتا۔ علمائے اصول فرماتے ہیں کہ خبر مشہور سے کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی ہوسکتی ہے جسے اصطلاحی طور پر بھی نسخ کہہ سکتے ہیں مثلاً قرآن سے وضو میں پاؤں کا دھونا ثابت ہے، حدیث مشہور سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے اور وہ ثابت العمل ہے،[1] اسی طرح قرآن سے زانی کیلئے سو کوڑوں کی سزا ثابت ہے، احادیث مشہورہ سے رجم کا حکم ثابت ہوتا ہے[2] وغیرہ۔

خبر مشہور کے بعد خبر واحد کی بحث شروع کی جاتی ہے، چونکہ خبر واحد کی حجیت متنازعہ فیہ ہے اس لئے اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

خبر واحد کی تفصیلی بحث

ہم اس بحث کو چند حصوں میں تقسیم کریں گے:

۱-خبر واحد کا مفہوم اور حکم

۲-خبر واحد کے مقبول ہونے کے شرائط

۳-خبر واحد کے واجب الاتباع ہونے کے دلائل

۴-ظن کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

خبر واحد کا مفہوم

کچھ حضرات نے خبر واحد کو عام سنت کے مقابلے میں ایک استثنائی صورت قرار دے کر اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر اکابر

---

[1] الحسامی، ص ۷۰۔ [2] اصول بزدوی، ص ۱۵۲۔

Marfat.com

احناف کو بھی اس غلط تصور میں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علماء اصول کے نزدیک خبر واحد کا جو سیدھا سادہ مفہوم ہے اسے واضح کر دیا جائے، امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں:

هُوَ كُلُّ خَبَرٍ يَرْوِيْهِ الْوَاحِد اَوِ الْاِثْنَانِ فَصَاعِدًا لَاعِبْرَةَ لِلْعَدَدِ فِيْهِ بَعْدَ اَنْ يَكُوْنَ دُوْنَ الْمَشْهُوْرِ وَالْمُتَوَاتِرِ وَهٰذَا يُوْجِبُ الْعَمَلَ وَلَايُوْجِبُ الْعِلْمَ يَقِيْنًا عِنْدَنَا۔[1]

"ہر وہ خبر جسے ایک یا دو یا اس سے زائد راوی روایت کریں جو مشہور اور متواتر سے کم درجے کے ہوں، اس سے عمل واجب ہوتا ہے، ہمارے نزدیک علم یقینی حاصل نہیں ہوتا"۔

یعنی خبر واحد کے راوی مشہور اور متواتر سے کم ہوتے ہیں یہ واجب العمل ہے بشرطیکہ شرائط موجود ہوں۔

خبر واحد کے واجب الاتباع ہونے کے شرائط

علمائے کرام نے خبر واحد کے واجب الاتباع ہونے کے لئے حسبِ ذیل آٹھ شرطیں مقرر کی ہیں جن پر غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو تردد نہیں رہتا کہ خبر واحد پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ ان آٹھ شرائط میں سے چار کا تعلق راوی سے ہے اور چار کا متن حدیث سے راوی میں عقل، عدالت،

---

[1] اصول بزدوی، ص ۱۵۲۔

Marfat.com

اسلام اور ضبط کا پایا جانا ضروری ہے۔[1]

متن حدیث کیلئے بھی یہ چار شرائط ضروری ہیں۔

۱-لَایَکُوْنُ مُخَالِفًا لِلْکِتَابِ. کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، اگر کوئی ایسی خبر واحد ہو جو کسی آیت کے خلاف ہو تو دیکھیں گے، کسی طرح تطبیق ممکن ہے یا نہ؟ اگر تطبیق ہو تو تطبیق دیں گے ورنہ خبر واحد بالاتفاق متروک اور ناقابل عمل ہوگی۔

۲-لَایَکُوْنَ مُخَالِفًا لِلسُّنَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ (خبر واحد کسی خبر مشہور ومتواتر کے خلاف نہ ہو) اگر خبر واحد حدیثِ متواتر ومشہور کے خلاف ہو اور کسی طرح تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دیں گے ورنہ خبر واحد کو چھوڑ دیں گے۔ مثلاً حدیث قَضٰی بِشَاهِدٍ وَّیَمِیْنٍ خبر واحد ہے اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو اور مدعی قسم اٹھانے کو تیار ہو تو اس سے قسم لے کر فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے اس کے مقابلے میں حدیث مشہور ہے اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ یعنی مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور قسم اٹھانا مدعا علیہ کا کام ہے، اس لئے یہاں پر کچھ حضرات نے خبر واحد کو حدیث مشہور کے مقابلے میں متروک قرار دیا ہے، امام طحاوی نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ قَضٰی بِالشَّاهِدِ مَعَ الْیَمِیْنِ میں ایک

---

[1] الحسامی، ص ۱۷۔

Marfat.com

احتمال یہ بھی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فیصلہ شاہد ویمین کے ساتھ کیا یعنی مدعی کے گواہ لئے اور مدعا علیہ سے قسم لی، اس صورت میں خبر واحد خبر مشہور کے مطابق ہو جاتی ہے،[1] وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۳-اَنْ لَّایَکُوْنَ فِی حَادِثَۃٍ تَعُمُّ بِھَا الْبَلْوٰی، تیسری شرط یہ ہے کہ خبر واحد ایسے مسائل سے متعلق نہ ہو جن کا وقوع عام ہوتا ہے اور جنہیں عموماً ہر شخص جانتا ہے، اگر خبر واحد میں ایسا حکم ہو جس کا تعلق عام لوگوں سے تھا تو وہ خبر متروک ہوگی اس لئے کہ عامۃ الناس سے اس کا تعلق ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوا گر ایسا نہیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اس لئے اس کا جاننا ضروری نہیں سمجھا، یا یہ کہ راوی کو غلط فہمی ہوگئی یہی وجہ ہے کہ قرأت وغیرہ کے بارے میں اخبار آحاد قبول نہیں کی جاتیں اس لئے کہ ان کا تعلق جمہور مسلمین سے تھا لہٰذا وہاں اخبارِ متواترہ ہونی چاہیں۔

۴-اَنْ لَّایَکُوْنَ مَتْرُوْکَ الْمُحَاجَّۃِ عِنْدَ ظُھُوْرِ الْاِخْتِلَافِ. چوتھی شرط یہ ہے کہ ظہور اختلاف کے وقت اس سے استدلال واحتجاج متروک نہ ہو چنانچہ اگر کسی وقت صحابہ کا اس میں اختلاف ہوا لیکن انہوں نے اس روایت کو بطور دلیل پیش نہ کیا تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ حدیث واجب الاتباع نہیں، صحابہ کا اس سے اغماض اس کے منسوخ ہونے

---

[1] شرح معانی الآثار طحاوی، ج ۲: ص ۳۷۹۔

Marfat.com

کی علامت سمجھا جائے گا۔[1]

خبر واحد کا حکم

ظاہر ہے جب حدیث خبر واحد ہونے کی صورت میں ان تمام اوصاف وشرائط کی حامل ہوتو اس کے واجب الاتباع ہونے سے کوئی سلیم العقل انسان انکار نہیں کرسکتا، ان شرائط کے موجود ہونے کی صورت میں جمہور علماء کے نزدیک خبر واحد مفید ظن ہوگی نہ کہ مفیدِ یقین، اس پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا، علامہ بہاری فرماتے ہیں:

یَجِبُ الْعَمَلُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ اِجْمَاعًا. [2]

''خبر واحد پر عمل کرنا اجماعاً واجب ہوتا ہے''۔

فخر الاسلام بزدوی نے ظن کے بجائے غالب الرای کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

فَکَذٰلِکَ هٰذَا الْخَبْرُ مِنَ الْعَدْلِ یُفِیْدُ عِلْمًا بِغَالِبِ الرَّأْیِ وَذٰلِکَ کَافٍ لِلْعَمَلِ. [3]

''اسی طرح خبر واحد عادل کی غالب رائے کا فائدہ دیتی ہے اور عمل کے لئے اتنا علم کافی ہے''۔

اکثر حضرات نے علم ظنی کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن یہاں پر ظن کے

---

[1] الاحسامی، ص ۷۰، تسہیل الوصول، ص ۱۵۰۔ [2] مسلم الثبوت مع الشرح ص ۴۴۔ اصول بزدوی، ص ۱۶۸۔

Marfat.com

معنٰی وہم وگمان کے نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہوا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظِ ظن کی لغوی واصطلاحی تحقیق بیان کر دی جائے تا کہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔

لفظ ظن کی تحقیق

لغتِ عرب میں لفظِ ظن مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، علامہ مرتضٰی زبیدی فرماتے ہیں:

وَقَدْ وَرَدَ الظَّنُّ فِی الْقُرْاٰنِ مُجْمَلاً عَلٰی اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ بِمَعْنَی الْیَقِیْنِ وَبِمَعْنَی الشَّکِّ وَبِمَعْنَی التُّهْمَةِ وَبِمَعْنَی الْحِسْبَانِ ثُمَّ ذَکَرَ الْاٰیَاتِ قَالَ شَیْخُنَا رَحِمَهُ اللّٰهُ وَحَرَّرَ مَحْشُوًّا الْبَیْضَاوِیُ وَالْمُطَوَّلِ اَنَّ الظَّنَّ لَایُسْتَعْمَلُ بِمَعْنَی الْیَقِیْنِ وَالْعِلْمِ فِیْمَا یَکُوْنُ مَحْسُوْسًا وَجَزَمَ اَقْوَامٌ بِاَنَّهٗ مِنَ الْاَضْدَادِ کَمَا فِیْ شَرْحِ الْفَصِیْحِ۔[1]

اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآنِ مجید میں ظن چار معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱-یقین ۲-تہمت ۳-شک ۴-وہم وگمان

ہر ایک مقام پر قرائن کے مطابق معنٰی مراد لیا جائے گا لہٰذا بطور

---

[1] تاج العروس شرح قاموس، ج۹: ص۲۷۲۔

Marfat.com

کلیہ، وہم وگمان مراد لینا غلط ٹھہرا۔ مفرداتِ قرآنیہ کے ماہر علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

اَلظَّنُّ اِسْمٌ لِمَایَحْصُلُ عَنْ اِمَارَةٍ وَمَتٰی قَوِیَتْ اَدَّتْ اِلَی الْعِلْمِ وَمَتٰی ضَعُفَتْ جِدًّا لَمْ یَتَجَاوَزِ التَّوَهُّمَ وَمَتٰی قَوِیَ اَوْ تَصَوَّرَ تَصَوُّرَ الْقَوِیِّ اُسْتُعْمِلَ مَعَ اَنَّ الْمُشَدَّدَةِ الْمَفْتُوْحَةِ وَاَنِ الْمُخَفَّفَةِ وَمَتٰی ضَعُفَ اُسْتُعْمِلَ اَنَّ اَنِ الْمُخَفَّفَةَ بِالْمَعْدُوْمَیْنِ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ فَقَوْلُهٗ اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلَاقُوْا رَبِّهِمْ وَکَذَا یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلَاقُوااللّٰهِ فَمِنَ الْیَقِیْنِ۔[1]

امام اصفہانی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ظن وہ ہے جو امارات سے حاصل ہوتا ہے بعض اوقات یہ قوی ہو کر درجہ علم ویقین کو پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات ضعیف ہو کر توہم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کے بعد آپ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ اگر ظن حقیقۃً قوی ہو یا اسے کسی مصلحت کی بنا پر قوی فرض کیا گیا ہو تو وہاں ظن کیساتھ اَنَّ مشددۃ یا مخففہ مفتوحہ استعمال ہوتا ہے اور اگر ظن ضعیف ہو تو اِن مشددہ یا مخففہ مکسورہ استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لسان العرب میں لفظ ظن کی تحقیق کرتے ہوئے ایک نکتے کی بات کہتے ہیں لکھتے ہیں:

اَلظَّنُّ شَکٌّ وَیَقِیْنٌ اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ بِیَقِیْنِ عَیَانٍ اِنَّمَا هُوَ

---

[1] مفردات امام راغب، ص ۳۱۹۔

Marfat.com

يَقِيْنُ تَدَبُّرٍ فَاَمَّا يَقِيْنُ الْعَيَانِ فَلَا يُقَالُ فِيْهِ اِلَّا الْعِلْمُ.[1]

''ظن کا لفظ شک اور یقین دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن یقین عیانی کے لئے نہیں بلکہ یقین نظری کے لئے جہاں تک یقین عیانی کا تعلق ہے اس کیلئے علم کا لفظ استعمال ہوتا ہے''۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ ظن سے علم نظری استدلالی بھی حاصل ہوتا ہے۔

آیئے اب ان آیاتِ قرآنیہ پر غور کریں جن میں اتباعِ ظن کی

مذمت کی گئی ہے اور جن کو آڑ بنا کر منکرین حدیث اخبارِ آحاد کی حجیت کا انکار کرتے ہیں:

۱-سورۂ نجم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا. (سورۂ النجم، ایت ۲۸)

''ان کے پاس علم نہیں، صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کی جگہ کچھ کارآمد نہیں ہوتا''۔

۲-سورۃ النساء میں فرمایا گیا ہے:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

---

[1] لسان العرب، ۱۳: ص ۲۷۲۔

Marfat.com

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. (سورۃ النساء، ایت ۱۵۸)

''جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اختلاف کرتے ہیں وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں اُن کو اس کا کچھ علم نہیں، صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں''۔

۳-سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. (سورۃ الحجرات، ایت ۱۲)

''اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو! کیونکہ بعض گمان گناہ کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں''۔

۴-سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ o (سورۃ الانعام، ایت ۱۴۸)

''فرما دیجئے تمہارے پاس اس بات کا کوئی علمی ثبوت ہو تو ہمیں دکھاؤ تم تو نری اٹکل پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو''۔

غور کیجیے! ان تمام آیات میں ظن سے مراد بے سروپا بات ہے جو انسان محض اٹکل سے کہے اور جس کا کوئی علمی ثبوت نہ ہو چنانچہ پہلی آیت میں علم اور ظن کو مقابل قرار دیا گیا ہے اور ان لوگوں کے غلط ظن کی مذمت کی

Marfat.com

گئی ہے جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ) دوسری آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو مسیح علیہ السلام کے بارے میں محض شک وگمان کے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ تیسری آیت میں ظن ووہم سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کسی بھی مسلمان کے خلاف بد گمانی کرنے کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ چوتھی آیت میں مشرکین اور اُن کے آباؤ اجداد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کے پاس مزعومات باطلہ کے اثبات کے لئے کوئی علمی ثبوت نہیں، صرف وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں۔

غرضیکہ اس قسم کی تمام آیات میں جہاں ظن کی مذمت کی گئی ہے وہ ظن ہرگز مراد نہیں جو اَدلہ شرعیہ سے حاصل ہوتا ہے بلکہ اپنی جانب سے بنائے ہوئے بے بنیاد خیالات کو ظن کہا گیا ہے اور اسی کی مذمت کی گئی ہے، ان تمام آیات میں ظن سے مراد وہ اوہام وخیالات ہیں جو اسلامی عقائد کے برخلاف ہیں۔ اس ظن یا غالب رائے کی تردید کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا جو خبر واحد سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا ان آیات کو خبر واحد کی حجیت کے خلاف دلیل بنانا کسی صاحب فہم کو زیب نہیں دیتا۔

اب ہم خبر واحد کے حجت اور موجبِ عمل ہونے پر کتاب وسنت وغیرہ سے دلائل پیش کریں گے۔

Marfat.com

دلائل حجیتِ خبر واحد

۱-قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (سورۂ توبہ۴)

''ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہر جماعت میں سے ایک طائفہ دین کی تعلیم کے لئے نکل کھڑا ہوتا تا کہ وہ جب لوٹ کر اپنی قوم کے پاس جاتا تو اُن کو ڈراتا، شاید وہ بھی بری باتوں سے بچنے لگتے''۔

لغت میں طائفہ کسی چیز کے ایک حصہ کو کہتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق ایک شخص سے لے کر جماعت تک کیا جا سکتا ہے لہٰذا آیت بالا کے بموجب ہر جماعت کا فرض ہے کہ اس کے پاس کوئی فرد یا طائفہ دین کی باتیں پہنچائے تو وہ انہیں صحیح تسلیم کرے اور قبول کر لے۔

۲-قرآنِ کریم میں بے شمار مقامات پر اس کا ذکر ہے کہ مختلف قوموں کی طرف ایک ایک رسول یا نبی کو بھیجا گیا۔ اس ذات واحد کی خبر کو پوری اُمت کیلئے حجت قرار دیا گیا اور اس کی خبر کو صحیح تسلیم نہ کرنے والوں کو مستحق عذاب قرار دیا گیا، اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو چاہئے تھا کہ ایک فرد کو رسول بنا کر نہ بھیجا جاتا بلکہ پوری جماعت کو ایک اُمت کی طرف مبعوث کیا جاتا۔

Marfat.com

۳-انبیاءِ کرام کی خبر واحد تو عظیم مقام رکھتی ہے، قرآنِ مجید سے غیر نبی کی خبر واحد کو تسلیم کرنے کا تاریخی ثبوت بھی ملتا ہے چنانچہ سورۂ قصص میں ارشاد ہوتا ہے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ٥ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ. (سورۃ القصص ایت ۲۰،۲۱)

''شہر کے سرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہا اے موسیٰ! دربار والے مشورہ کرتے ہیں کہ تمہیں مار ڈالیں تم نکل جاؤ، یقیناً میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو وہ وہاں سے ڈرتے اور انتظار کرتے نکل گئے''۔

ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے والا ایک عام آدمی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خبر مان لی جو بلاشبہ ایک فرد کی روایت تھی، جماعت کی نہ تھی اور اس سے اثر بھی لیا، پس شخص واحد روایت کرے جو پیغمبر نہیں اور پیغمبر اس روایت کو قبول کر کے اثر لے یعنی غیر نبی کی روایت کو مان لے تو کیا اس سے بڑھ کر بھی خبر فرد کے ثبوت اور اس کی حجیت کے معتبر ہونے کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

۴-قرآنِ مجید میں خبر اور شہادت دونوں کے معاملے میں مخبر اور شاہد کی عدالت کو اہمیت دی گئی ہے، کثرتِ تعداد پر زور نہیں دیا گیا چنانچہ

Marfat.com

سوائے حدِ زنا کے قصاص، شراب، خمر اور سرقہ وغیرہ حدود کے بارے میں صرف دو آدمیوں کی شہادت کو کافی سمجھا گیا حالانکہ ظاہر ہے کہ دو آدمیوں کی شہادت قطعاً حد تواتر کو نہیں پہنچتی، معلوم ہوا کہ اسلام میں اخبارِ آحاد بھی حجت ہیں ورنہ قصاص جیسے اہم معاملے میں تو کم از کم تواتر ضروری قرار دیا جاتا۔

۵-قرآنِ کریم میں فاسق کی خبر کو بھی مطلقاً رد نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ م بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًام بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ. (حجرات ۶)

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں تم کسی قوم پر مصیبت ڈھاؤ اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں آجائے اور حجت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت میں اجتماعی طور پر ندامت اٹھانی پڑے اگر فاسق کی خبر مطلقاً نا قابل اعتبار ہوتی تو یوں فرمایا جاتا کہ فاسق کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا اعتبار نہ کرو نہ یہ کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو، بہر حال تحقیق کے بعد وہ خبر واحد ہی

Marfat.com

رہے گی لہٰذا جب فاسق کی خبر بھی تحقیق کے بعد قابل اعتبار بن جاتی ہے تو راوی عادل اور متقی ومتدین کی خبر کیوں قابل اعتبار قرار نہ دی جائے۔

ظاہر ہے انبیاء کرام اور علماء کی بلاواسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لئے قطعاً تبین اور تحقیق کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن اگر وسائط سند کی وجہ سے اس پر بھی تحقیق وتبین کر لیا جائے تو پھر یہ خبر بدرجہ اولیٰ واجب الاعتبار بن جائے گی مگر بہرصورت خبر واحد ہی رہے گی۔

اس تقریر سے خبر واحد کی حجیت از روئے قرآن روشن ہوگئی۔

کتاب اللہ کے علاوہ سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرنے سے بھی یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ عہدِ رسالت ہی سے مسلمان خبر واحد کو موجبِ عمل قرار دیتے چلے آئے ہیں اور انہوں نے کبھی یہ کہہ کر خبر واحد کو رد نہیں کیا کہ یہ چونکہ مفید یقین نہیں اس لئے ہم اس پر عمل نہیں کرتے جیسا کہ موجودہ دور کے نام نہاد محققین کا ادعا ہے۔

عہدِ رسالت کے چند واقعات

تحویل قبلہ سے قبل مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے جب مدینہ منورہ میں تحویل قبلہ کی آیت اتری تو دوسرے دن صبح کو رسولِ اکرم ﷺ کا قاصد تحویل قبلہ کی خبر لے کر بستی قبا میں پہنچا، اس وقت اہل قبا صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، جونہی انہوں نے تحویل قبلہ کی خبر سنی

Marfat.com

نماز ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ [1]

اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے ان کے نزدیک دینی مسائل میں خبر واحد حجت تھی اور اگر بالفرض ان کا یہ اقدام غلط ہوتا تو یقیناً آنحضرت ﷺ ان کو تنبیہ فرما دیتے کہ تم نے خبر واحد پر کیوں عمل کیا، براہ راست میری ہدایت یا خبر متواتر کا انتظار کیوں نہیں کیا مگر یہاں اعتراض تو در کنار اپنی طرف سے فرد واحد کا بھیجنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خود صاحبِ نبوت علیہ السلام کے نزدیک بھی ایک عادل اور ثقہ آدمی کی روایت حجت تھی۔

۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت شہرت رکھتی ہے، آپ نے فرمایا کہ میں حرمتِ خمر سے پہلے ابوعبیدہ، ابوطلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا، دفعۃً ایک منادی کی آواز کانوں میں پہنچی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرتِ ابوطلحہ نے جو شراب کے مٹکوں کے مالک تھے حکم دیا کہ انس اٹھو اور یہ مٹکے توڑ ڈالو میں نے اٹھ کر شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ [2]

یہاں پر بھی خبر واحد پر ہی عمل کیا گیا اور تحریم خمر جیسے اہم مسئلے میں خبر واحد کو کافی سمجھا گیا کسی نے یہ نہ کہا کہ جب تک خبر متواتر نہ ہو یا براہِ راست، رسولِ اکرم ﷺ سے تحریم خمر کی تصدیق نہ کر لی جائے ہم یقین نہیں

---

[1] صحیح بخاری کتاب اخبار الآحاد، ۲: ص ۱۰۷۶۔ [2] الرسالہ ص ۴۰۹۔ صحیح بخاری، ۲: ص ۱۰۷۷۔

Marfat.com

کریں گے سب نے خبر واحد پر عمل کرتے ہوئے خبر واحد کی حجیت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

۳-آنحضرت ﷺ نے زنا کے ایک مقدمے میں زانی کو اعتراف جرم پر کوڑے لگائے اور جس عورت کیساتھ اس نے زنا کرنے کا اعتراف کیا تھا اس کی طرف حضرتِ انیس کو بھیجا اور اسے فرمایا اِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا[1] (اگر وہ اعتراف کرلے تو اسے سنگسار کردینا)

یہاں پر بھی ایک فرد کو حد شرعی کے نفاذ کیلئے مقرر کیا گیا اور اس کی خبر کو معتبر قرار دیا گیا۔

۴-اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ۹ ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اس موقع پر مختلف بلاد وامصار سے بکثرت حجاج آئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں مناسک حج کی تعلیم دی اور رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات پہنچائے مگر کوئی یہ اعتراض نہ کرسکا کہ فرد واحد کی خبر دوسروں کے لئے کس طرح قابل عمل ہوسکتی ہے اور کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت ہی کیا تھی جب کہ خود سرور کائنات ﷺ نے انہیں نائب بنا کر بھیجا تھا۔ اسی طرح اسی موقع پر حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ عہدِ شکن کفار کے معاہدے کے ختم ہونے کا اعلان کردیں نیز یہ اعلان بھی کردیں کہ آئندہ

---

[1] صحیح مسلم، ج ۲: ص ۶۹۔

Marfat.com

کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے اور نہ ہی کوئی شخص عریانی یا بے وضو ہونے کی حالت میں طواف کرے وغیرہ۔ [1]

۵-حضور ﷺ نے جہاں جہاں اپنے عامل اور قاصد بھیجے، ان میں بھی عدد کا کوئی لحاظ نہیں کیا، چنانچہ قیس بن عاصم اور زہرقان بن بدر اور ابن نویرہ کو ان کے قبائل کی طرف ایک ایک کر کے بھیجا گیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو فرائض خداوندی کی تعلیم دیں اور ان سے صدقاتِ واجبہ وصول کریں۔ اسی طرح مختلف سلاطین کی طرف ایک ایک قاصد بھیجنا بھی مروی ہے۔ [2]

یہ تمام واقعات اس امر کا کھلا ثبوت ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے نزدیک واحد عادل کی خبر معتبر تھی۔

خلفائے راشدین اور خبر واحد

خلفائے راشدین نے بھی خبر واحد کو معتبر قرار دیا، اس بارے میں کثیر واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وراثت جدہ کے بارے میں مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ کی خبر پر عمل کرنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مجوسیوں سے جزیہ لینے کے بارے میں عبدالرحمٰن بن عوف کی خبر واحد پر عمل کرنا، اسی طرح دیتِ جنین کے بارے میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حمل بن

---

[1] الکامل لابن اثیر، ج ۲: ص ۱۹۹۔ [2] صحیح بخاری، ۸: ص ۱۱۱۔

Marfat.com

مالک کی خبر پر عمل پیرا ہونا، حضرت عثمان غنی ﷺ کا بنت مالک کی روایت کے مطابق عدت کا مسئلہ طے کرنا، حضرت علی ﷺ کا خبر واحد کے سلسلے میں حلف لے کر اعتبار فرمانا[1] وغیرہ۔

یہ تمام امور اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ خلفائے راشدین خبر واحد کو حجتِ شرعیہ سمجھتے تھے۔

علمائے ملت کا اتفاق

ہر دور میں علمائے ملت نے خبر واحد کو حجت مانا اور اس پر عمل کیا۔

امام شافعی الرسالہ میں لکھتے ہیں:

وَفِیْ تَثْبِیْتِ خَبَرِ الْوَاحِدِ اَحَادِیْثُ یَکْفِیْ بَعْضُ هٰذَا مِنْهَا وَلَمْ یَزَلْ سَبِیْلُ سَلَفِنَا وَالْقُرُوْنِ مَنْ بَعْدَهُمْ اِلٰی مَنْ شَاهَدَنَا هٰذِهِ السَّبِیْلَ.[2]

''خبر واحد کی حجیت کو ثابت کرنے کیلئے احادیثِ کثیرہ میں سے چند ایک بطور نمونہ کافی ہیں۔ ہمارے سلف اور ان کے بعد مختلف قرون میں یہی عقیدہ رہا ہے سب بزرگوں نے یہی راہ اختیار کی ہے، سلف صالحین میں سے چند اکابر کے نام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علمائے مدینہ منورہ میں سے مندرجہ ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں''۔

---

[1] ''خلفاءِ راشدین کی نظر میں سنت کا مقام'' اس عنوان سے مذکورہ حوالے گزشتہ اوراق میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ [2] الرسالۃ (للشافعی) ص ۴۵۳۔

Marfat.com

۱-محمد بن جبیر بن مطعم ۲-نافع بن جبیر بن مطعم

۳-یزید بن طلحہ بن رکانہ ۴-محمد بن طلحہ بن رکانہ

۵-نافع بن عجرہ ۶-ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن

۷-حمید بن عبدالرحمٰن ۸-طلحہ بن عبداللہ بن عوف

۹-مصعب بن سعد بن ابی وقاص ۱۰-ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف

۱۱-خارجہ بن زید بن ثابت ۱۲-عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک

۱۳-عبداللہ بن ابی قتادہ ۱۴-سلیمان بن یسار

۱۵-عطاء بن یسار وغیرہم

محدثین مکہ میں سے یہ اصحاب قابل ذکر ہیں۔

۱-عطاؑ بن ابی رباح ۲-طاؤس ۳-مجاہد

۴-عکرمہ بن خالد ۵-ابن ابی عمار ۶-عبداللہ بن باباہ وغیرہ

محدثین کوفہ میں یہ اصحاب ہیں۔

۱-علقمہ ۲-عامر بن شرحبیل شعبی ۳-اسود بن یزید وغیرہ

محدثین بصرہ میں اہم اصحاب یہ ہیں۔

۱-عبدالرحمٰن بن غنم ۲-حسن بصری ۳-محمد بن سیرین وغیرہ

یہ سب حضرات خبر واحد کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور ان کے بعد کے علماء بھی خبر واحد کی حجیت پر متفق ہیں ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین بھی خبر

Marfat.com

واحد کو حجت شرعیہ سمجھنے پر متفق ہیں البتہ خوارج اور معتزلہ نے اس کی حجیت میں اختلاف کیا لیکن معتزلہ میں سے بھی رئیس معتزلہ ابوعلی جبائی کا قول یہ ہے کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے یعنی سلسلہ سند میں کسی جگہ دو سے کم راوی نہ ہوں تو وہ بھی صحیح قرار پائے گی۔[1]

ہم نے یہاں خبر واحد کی تفصیلی بحث اس لئے چھیڑ دی تا کہ جو حضرات خبر واحد کو ظنی قرار دے کر یا سنت سے استثنائی صورت قرار دے کر اس کی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں اور یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ اخبارِ آحاد کو شروع اسلام سے حجت نہیں سمجھا گیا ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے اور خبر واحد کی شرعی حیثیت کھل کر سامنے آجائے اہل انصاف کیلئے اتنا کچھ کافی ہے اور اہل تعصب کے لئے دفتر کے دفتر بے کار ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَامِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ.

حرفِ اختتام

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مقالہ اختتام کو پہنچا، اس مقالے سے مقصود یہ ہے کہ مسلک اہل سنت و جماعت کے مطابق سنت و حدیث کے بارے میں اپنا موقف واضح کیا جائے، اب تک جمہور اہل اسلام کا سنت و حدیث کے بارے میں جو نظریہ رہا ہے اسے مستند کتابوں کے حوالے سے

---

[1] شرح نخبۃ الفکر، ص ۲۴۔

Marfat.com

قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے اور دور حاضر میں جن حضرات کو سنت وحدیث کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں دیانتدارانہ انداز میں ان کا ازالہ کیا جائے۔

اس سے ہمارا مقصد تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ اصلاح مقصود ہے، یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوتا ہے کہ وہ اہل قلم حضرات جنہیں خدا نے کچھ لکھنے پڑھنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور وہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر دین کی خدمت کر سکتے ہیں اور مغربی اقوام کے سامنے اسلام کا پیغام مؤثر انداز میں پیش کر سکتے ہیں، بدقسمتی سے انہوں نے منفی اندازِ فکر اپنا لیا ہے وہ مستشرقین یورپ کے لٹریچر کے مطالعے سے اس قدر متاثر بلکہ مرعوب ہو گئے ہیں کہ وہ اب کتاب وسنت اور اسلامی روایات کا مطالعہ صرف اہل یورپ ہی کی عطا کردہ عینک سے کرنا چاہتے ہیں انہیں جو چیز بھی دانایانِ فرنگ کے فکر ونظر کے مطابق نظر نہیں آتی اس کی تاویل کرنا اور بسا اوقات صاف انکار کر دینا اپنا ''علمی فریضہ'' سمجھتے ہیں، انہیں اہل مغرب کے حملوں کے خلاف اسلامی روایات کا دفاع کرنا چاہیے تھا مگر بجائے دفاع کے وہ دشمن کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں اور اسے خود تیر چن چن کر دے رہے ہیں تا کہ وہ اسلام کے سینے کو زیادہ سے زیادہ چھلنی کر سکے۔

غنی روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا

Marfat.com

جدید اہل قلم حضرات کے مقابلے میں ہمارے علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جہاں کفر وشرک کا ابطال کر سکتے ہیں وہاں عصر حاضر کے فتنوں کی بھی سر کوبی کر سکتے ہیں لیکن بعض مصلحتوں یا مجبوریوں کے پیش نظر تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکتے، وہ میدانِ خطابت کے شہسوار ہیں، تدریس میں انتہائی اونچا مقام رکھتے ہیں اور اپنی علمی صلاحیتوں کی بنا پر اہل سنت کے لئے سرمایہء افتخار ہیں۔

یہ ہیچمداں اس قابل نہیں کہ اہل علم حضرات کی صف میں کھڑا ہو سکے لیکن حتی المقدور خدمتِ دین کے لئے کوتاہی کرنے کو نامناسب خیال کرتا ہوں۔

میں نے تخصص فی التفسیر والحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے آج سے تقریباً گیارہ سال قبل جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں یہ مقالہ تحریر کیا تھا، اصل مقالہ تو جامعہ ہی میں ہے البتہ اس کا رف میرے پاس تھا جس میں ضروری ترمیم واصلاح کے بعد اپنے مرشد کامل حضرت قبلہء عالم پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

---

۱ صحیح مسلم (کتاب الوصیۃ)، ج ۲: ص ۴۳۔

Marfat.com

خدا کرے اس شیخ کامل کی پاکیزہ نسبت کی برکت سے یہ رسالہ بارگاہِ رسالت مآب میں قبولیت حاصل کرے اور اس گناہ گار کو آئندہ بھی سلف صالحین کے مسلک کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب ہوتی رہے امین ۔وَلَیْسَ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ بِبَعِیْدٍ.

احقر العباد مشتاق احمد چشتی عفی عنہ

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۱-الاحکام فی اصول الاحکام ..... حافظ ابو محمد علی بن حزم (م ۴۵۶ھ)
مطبع السعادۃ مصر

۲-ارشاد الساری الیٰ شرح البخاری ..... علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی
(م ۹۲۳ھ) مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۲۳ھ

۳-ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ..... حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن شاہ عبدالرحیم دہلوی
(م ۱۱۷۶ھ) مطبع صدیقی بریلی

۴-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ..... حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر
(م ۴۶۳ھ) مطبع نہضہ مصر

۵-اسد الغابہ فی معرفۃ احوال الصحابہ..... شیخ ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن عبدالکریم المعروف
بابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) مطبع اسلامیہ تہران

۶-اشعۃ اللمعات ..... شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)
مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

۷-اصول الفقہ ..... شیخ محمد بن عفیفی خضری (م ۱۳۴۵ھ)
مطبع رحمانیہ مصر

۸-الاعتصام ..... علامہ ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی
(م ۷۹۰ھ) مطبع مصطفیٰ محمد مصر

۹-الاعلام ..... خیرالدین زرکلی مطبع کوسنا تھوماس (۱۹۵۴ء)

۱۰-اعلام الموقعین عن رب العالمین..... حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم
(م ۷۵۱ھ)

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۱۱-انساب الاشراف ..... شیخ احمد بن یحییٰ البلاذری (م ۲۷۷ھ)
دارالمعارف مصر

۱۲-البدایۃ والنہایۃ ..... علامہ عمادالدین ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر
دمشقی (م ۷۷۴ھ) مطبع السعادۃ مصر ۱۹۳۲ء

۱۳-تاج العروس ..... سید ابوالفیض محمد بن محمد بن عبدالرزاق المعروف بہ
مرتضیٰ زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) مطبع وہبیہ مصر

۱۴-تاریخ الامم والملوک ..... امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)
مطبع حسینیہ مصر

۱۵-تاریخ التشریع الاسلامی ..... شیخ محمد بن عفیفی خضری (م ۱۳۴۵ھ)
مطبع استقامت قاہرہ ۱۹۶۱ء

۱۶-تاریخ الخلفاء ..... علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی (م ۹۱۱ھ)
مطبع مجیدی کانپور اصح المطابع کراچی

۱۷-تذکرۃ الحفاظ ..... حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی
(م ۷۴۸ھ) دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد

۱۸-الترغیب والترہیب ..... حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری (م ۶۵۶ھ)
مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر

۱۹-تسہیل الوصول الیٰ علم الاصول ..... شیخ محمد عبدالرحمٰن الحلاوی (ولادت ۱۲۸۰ھ)
مکتبہ صدیقیہ ملتان

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۲۰-تفسیر ابن کثیر ..... حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی (م ۷۴۴ھ) مطبع عیسیٰ بابی حلبی مصر

۲۱-تفسیر الجامع لاحکام القرآن ..... لمام ابو عبداللہ محمد احمد الانصاری القرطبی (م ۶۷۱ھ) دار الکتب المصریہ

۲۲-تفسیر جامع البیان ..... امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ) مطبع میمنہ مصر

۲۳-تفسیر روح المعانی ..... علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۵ھ) ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر

۲۴-تفسیر فتح العزیز ..... شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) مطبع محمدی لاہور

۲۵-تفسیر الکشاف ..... علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری (م ۵۳۸ھ) مطبع استقامت بالقاہرہ

۲۶-تفسیر مفاتیح الغیب ..... امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین الرازی (م ۶۰۶ھ) مطبع بہیہ مصر

۲۷-تلخیص المستدرک ..... حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد

۲۸-تلویح شرح توضیح ..... علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (م ۷۹۱ھ) نولکشور لکھنؤ

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۲۹-توضیح شرح النقیح .... شیخ عبیداللہ بن مسعود بن محمود (م ۷۴۸ھ)
نولکشور لکھنؤ

۳۰-تیسیر التحریر .... علامہ محمد امین مصری المعروف بہ امیر بادشاہ
(م ۹۸۷ھ) مصطفٰی بابی حلبی مصر

۳۱-جامع بیان العلم .... حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر
(م ۴۶۳ھ) ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ

۳۲-الجامع الصحیح للترمذی..... ..... امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ)
مطبع مجیدی کانپور کراچی

۳۳-الرسالۃ للشافعی..... ..... امام محمد ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ)
مصطفٰی بابی حلبی مصر

۳۴-سنن ابی داؤد .... امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)
مصطفٰی بابی حلبی مصر

۳۵-سنن ابن ماجہ .... امام ابوعبداللہ بن محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی
(م ۲۷۳ھ) مطبع تازیہ مصر

۳۶-سنن نسائی .... امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ)
جید برقی پریس دہلی

۳۷-شرح مسلم للنووی..... ..... امام محی الدین یحییٰ بن شرف النووی (م ۶۷۶ھ)
اصح المطابع کراچی

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۳۸-شرح مسلم الثبوت..... ..... بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی (م۱۲۲۵ھ)
نولکشور لکھنؤ

۳۹-شرح معانی الآثار ..... امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی (م۳۲۱ھ)
مکتبہ آصفیہ دہلی ایضاً کراچی

۴۰-شرح نہج البلاغہ .... علامہ عبدالحمید بن ہبۃ اللہ بن ابی الحدید
(م۶۵۶ھ) مصطفیٰ بابی حلبی مصر

۴۱-صحاح العربیہ .... شیخ ابونصر اسمٰعیل بن حماد الجوہری (م۳۹۳ھ)
مطبع دارالکتب

۴۲-الجامع الصحیح للامام البخاری ..... امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶ھ)
مطبع مصطفیٰ بابی حلبی مصر، اصح المطابع کراچی

۴۳-الصحیح للامام مسلم ..... امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری
(م۲۶۱ھ) اصح المطابع کراچی

۴۴-الطبقات الکبریٰ ..... علامہ محمد بن سعد الزہری البصری (م۲۳۰ھ)
مطبع دار بیروت ۱۹۵۷ء

۴۵-عمدۃ القاری ..... شیخ بدرالدین ابومحمد محمد بن احمد العینی (م۸۵۵ھ)
ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر

۴۶-عنایہ شرح ہدایہ برحاشیہ فتح القدیر..... شیخ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی (م۷۸۶ھ)
مطبع مصطفیٰ محمد مصر

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۴۷-عون المعبود شرح سنن ابی داؤد..... مولانا شرف الحق محمد اشرف عظیم آبادی، مطبع انصاری دہلی

۴۸-فتح الباری .... حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م۸۵۲ھ)

۴۹-فتح القدیر .... امام اکمل الدین محمد ابن ہمام (م۸۶۱ھ) مصطفٰے محمد مصر

۵۰-الکامل فی التاریخ ..... عزالدین ابوالحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن الاثیر (م۶۳۰ھ) ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر

۵۱-کتاب الاصول سرخسی ..... امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (م۴۸۳ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن

۵۲-کتاب الاصول بزدوی ..... علامہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (م۴۸۲ھ) مطبع نور محمد کراچی

۵۳-کتاب الام ..... امام محمد بن ادریس الشافعی (م۲۰۴ھ) مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر

۵۴-تاریخ ابن خلدون ..... علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون مغربی (م۸۰۸ھ) دارالکتاب لبنان

۵۵-کشف الاسرار .... شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری (۴۴۸ھ) مطبع شرکت صحافیہ عثمانیہ

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۵۶-کشف الغمہ عن جمیع الامہ ..... علامہ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۱ھ)
مطبع میمنہ مصر

۵۷-کنز العمال .... علامہ علاؤالدین علی المتقی بن حسام الدین
(م ۹۷۵ھ) دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد

۵۸-لسان العرب .... شیخ جمال الدین محمد بن مکرم المعروف بابن منظور
افریقی (م ۷۱۱ھ) دارالبیروت ۱۹۲۶ء

۵۹-لسان المیزان .... حافظ شیخ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی
(م ۸۵۲ھ) دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد

۶۰-مجمع بحارالانوار .... شیخ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) نولکشور لکھنؤ

۶۱-مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ..... حافظ نورالدین علی بن بکر ہیثمی (م ۸۰۷ھ)

۶۲-محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ..... شیخ محمد خضری مصری (م ۱۳۴۵ھ)
مکتبہ نجاریہ کبریٰ ۱۳۶۶ء

۶۳-مستدرک علی الصحیحین.....امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری
(م ۴۰۵ھ) دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد

۶۴-المستصفیٰ .... حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی (م ۵۰۵ھ)
مطبع مصطفیٰ محمد مصر

۶۵-مسلم الثبوت .... علامہ محب اللہ بن عبدالشکور بہاری (۱۱۱۹ھ)
مطبع انصاریہ دہلی

Marfat.com

مآخذ و مراجع

۶۶-مسند احمد .... لامام احمد بن محمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) مطبع حیدریہ بمبئی

۶۷-مسند امام شافعی .... امام محمد بن ادریس شافعی (م۲۰۴ھ)
مکتبہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۱ء

۶۸-مشکوٰۃ المصابیح .... شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی
(م۷۴۹ھ)

۶۹-المفردات فی غریب القرآن ..... شیخ ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف بہ راغب
اصفہانی (م۵۰۲ھ) مصطفیٰ بابی حلبی مصر

۷۰-مقدمہ ابن صلاح ..... حافظ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری
(م۶۴۳ھ)

۷۱-مناہل العرفان فی علوم القرآن ..... علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی، مطبع عیسیٰ بابی حلبی ۱۳۷۲ھ

۷۲-الموافقات .... علامہ ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی (م۷۹۰ھ)
مطبع مصطفیٰ محمد مصر

۷۳-الموضوعات الکبیر .... علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد المعروف ملا علی قاری
(م۱۰۱۴ھ) اصح المطابع کراچی

۷۴-مؤطا امام مالک .... امام مالک بن انس (م۱۷۹ھ)
اصح المطابع کراچی

۷۵-میزن الاعتدال فی نقد الرجال ..... ابوعبداللہ شمس الدین محمد ذہبی (م۷۴۸ھ)
مطبع السعادۃ مصر

Marfat.com

مآخذ ومراجع

۷۶-نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ..... علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ

۷۷-نصب الرایہ فی..... الہدایہ..... علامہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی (م۷۶۲ھ) مطبع دارالمامون ۱۹۳۲ء

۷۸-النہایہ .... لمام مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد الجزری (م۶۰۶ھ) مطبع خیریہ مصر

۷۹-الہدایہ .... شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (م۵۹۳ھ) مطبع مجتبائی دہلوی

۸۰-یسر الاسلام واصول التشریع العام.....علامہ سید محمد رشید رضا (م۱۳۴۵ھ) مطبع نہضہ مصر

Marfat.com

مکتبہ مہریہ کاظمیہ نیو ملتان سے طلب فرمائیں

البیان فی ترجمۃ القرآن	البتیان تفسیر پارہ اول
مقالات کاظمی تین جلد	خطبات کاظمی چار جلد
قدم الشیخ عبدالقادر علی رقاب الاولیاء الاکابر	انوار البیان
درود تاج پر اعتراضات کے جوابات	الحق المبین
تسکین الخواطر	میلاد النبی
معراج النبی	گستاخ رسول کی سزا قتل
فلسفہ نماز	حدود آرڈیننس پر تبصرہ
علم تفسیر اور مفسرین	زبدۃ التوضیحات شرح سبع المعلقات
وقایۃ النحو شرح ہدایۃ النحو	انوار العقائد
انوار المسائل	قرآنی قاعدہ
انوار الافادات ترجمہ مقامات	علم التجوید
احسن التجوید	عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت
احکام حلال و حرام	قربانی کی شرعی حیثیت
تحفہ سعیدیہ شرح علم الصیغہ	معین الابواب دو جلد

Marfat.com